آصف بیگ فیضی

آصف علی اصغر فیضی
۳۰/۶/۳۱ سنہ ۱۹۳۱ء

جذباتِ فطرت

جلد دوم

گزارش

الحمدللہ کہ ملک میں اس سلسلہ کی اُمید سے بہت بڑھ کر قدر ہوئی معزز اخباروں اور ممتاز آدمیوں نے بالاتفاق اس کی نسبت اظہار پسندیدگی فرمایا اور اس سلسلہ کے جاری رکھے جانے پر زور دیا۔ اشاعت ہوتے ہی بلامبالغہ فرمایشوں کا تار بندھ گیا۔ اکثر صوبوں کے مدارس اور کتب خانوں کے واسطے اس کی منظوری ہوئی۔ غرض ہر طریقہ سے پبلک کی دلچسپی روزافزوں معلوم ہوتی ہی۔ اس ہمّت افزائی نے قدرۃً نئے سٹ کی تالیف وطبع کی رفتار تیز کر دی۔ چنانچہ تقریباً چھ ماہ کے وقفہ سے یہ دوسرا سٹ شائع ہو رہا ہی اور تیسرا سٹ بھی مُرتب ہو چکا ہی۔ یقین ہی کہ انشاء اللہ تعالیٰ ہر سٹ اپنے ماسبق سے اعلیٰ و بالا ثابت ہوگا۔

منتخبات
سلسلۂ نظمِ اردو

جذباتِ فطرت

دیکھنا تقریر کی لذّت کہ جو اُس نے کہا   میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

مرتّبہ

محمد الیاس برنی ایم اے۔ ال ال بی (علیگ)

(سابق پروفیسر اکنامکس محمڈن کالج علی گڑھ)

معلّم معاشیات جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن

جلد دوم

باہتمام محمد مقتدیٰ خاں شروانی

مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڈھ کالج میں ۱۳۳۸ھ ۱۹۲۰ء طبع ہوئی

تمہید

اُردو شاعری کی بھی عجب افتاد پڑی جب کہ ہندوستان میں اسلامی حکومتوں پر تباہی کی کالی گھٹائیں چھارہی تھیں اور گھڑی گھڑی ادبار کی بجلیاں گرتی تھیں، بزمِ سخن کی رونق اور چہل پہل قابل دید تھی۔ خود فرماں روائے وقت دنیا و مافیہا سے بے خبر شاعری کی دُھن میں مست تھے۔ شاعروں کی دیکھا دیکھی حشرات الارض کی طرح بے شمار نظم نگار نکل پڑے۔ آٹھوں پہر مشاعرے گرم رہنے لگے اور مدّاحوں کی واہ واہ نے آسمان سر پر اُٹھالیا۔ رنگ رلیوں کا زمانہ تھا کلام بھی قدرتاً اسی رنگ میں رنگ گیا چنانچہ اس میں حسن پرستی کا وہ ہیجان آیا اور عشق و عاشقی کا وہ طومار بندھا کہ خدا کی پناہ۔ اس زہریلے مذاق سے قوم پر کس درجہ مردنی چھائی، اخلاق و عادات کی کیا گت بنی، جاہ و ثروت

کس طرح خاک میں ملی، یہ عبرتناک داستان ابھی تاریخ ہند میں بیان ہونی باقی ہے۔ پھر بھی بڑی خیریت ہوئی کہ ظاہری آرائش کی کثرت سے شاعری کا اصلی حسن چھپا رہا۔ مبالغوں اور لفظی رعایتوں نے خود ہی اس آگ کے شعلہ دبا دیئے اگر کہیں اس رنگ میں جرأت، انشا، مرزا شوق اور میاں نظیر کے طرز پر شاعری نے اپنا پورا جلوہ دکھایا ہوتا تو پھر قیامت تھی۔ فحش اور مبتذل کلام سے تو بحث نہیں ان واسوختوں نے نہ معلوم کتنے نونہال جھلس ڈالے۔ البتہ اس رنگ کے متین اور مہذّب کلام کو لیجئے۔ اِس میں ہزار لفظی و معنوی خوبیاں سہی لیکن تاثیر جو شاعری کی جان ہے کمیاب ہے۔

اگرچہ بہت سا کلام گردشِ ایّام کی نذر ہو گیا۔ تاہم اب بھی نظموں کا ایک اچھا ذخیرہ موجود ہے اور خدا کا شکر ہے کہ جابجا ایسی نظمیں بھی ملتی ہیں جن کے پاکیزہ اور لطیف مضامین قوم کے واسطے مایۂ حیات اور سرمایۂ مباہات ہیں جن کے بیان کی صفائی و حقیقت آمیزی اور جن کی زبان کی شگفتگی و بے ساختگی سے شاعری کی سحرکاریاں جلوہ گر ہیں۔ ایسا کلام خود بخود قلب کو گرماتا اور روح

کو تڑپاتا ہے۔ سوتوں کو جگاتا اور ڈوبتوں کو تراتا ہے۔ ہنستوں کو رولاتا اور روتوں کو ہنساتا ہے۔ شاعری نے اس میں بلا کا اثر بھر دیا ہے۔ کسی عارضی اور مصنوعی ذوق کے بجائے خود انسانی فطرت اِس کی قبولیت کی ضامن ہے اور نفسیات کے دربار سے اسی کو بقائے دوام کا فرمان ملا ہے۔

اشاعتِ ادب، ترقی زبان اور اصلاح تمدّن کی ایک عمدہ سبیل یہ ہے کہ خاص خاص رنگ کا شاعرانہ کلام مرتب کر کے ناظرین کے روبرو پیش کیا جائے۔ چنانچہ زندہ دل اور علم دوست قوموں میں ادبی خدمت کا یہ طریق بہت رائج اور مقبول ہے۔ آئے دن اچھے سے اچھے انتخابات شایع ہوتے رہتے ہیں اس ترکیب سے مطالعہ کا شوق بڑھتا ہے، ذوقِ سلیم پیدا ہوتا ہے اور شاعری اپنا کام کر دکھاتی ہے۔

کچھ انتخابات آج کل نصابِ تعلیم میں داخل ہیں۔ بعض شاعروں کا منتخب کلام بھی شایع ہو رہا ہے لیکن اب تک ایسے مسلسل اور مربوط انتخابات کا انتظار رہا جو ادبی مرقعوں کا کام دیں۔ بڑی ضرورت یہ ہے کہ شاعری کے

موجودہ رجحانات اور مقامات پیشِ نظر ہو جاویں تاکہ جو ادیب اور شاعر اپنی
ذمّہ داریوں سے واقف ہوں شاعری کی اصلاح و ترقی کی معقول تجاویز
سوچیں اور کارگر تدابیر اختیار کریں۔ انتخابات سے پتہ چلا کہ ہماری شاعری کے
بہت سے شعبے توجّہ طلب ہیں مثلاً اتنک وہ دین و ملّت سے بیگانہ بلکہ برگشتہ
رہی حمد، نعت اور مناجات جن میں کچھ خلوص و نیاز کی چاشنی ہو مشکل سے
ملتی ہیں۔ اور قومی نظمیں تو بوجہ ندرت ابھی تک تبرّک بنی ہوئی ہیں اسی طرح
جذبات کو لیجئے۔ اوّل تو ایشیائی طبیعت یوں ہی حُزن پسند ہی دوسرے
اُردو شاعری نے قومی تنزّل اور تباہی کے دَور میں ہوش سنبھالا قدرتاً
کلام بارِد اور یاس انگیز ہی۔ دُنیا کی بے ثباتی، زمانہ کی گردش، تقدیر کی بندش
فنادگی و خود فراموشی، سکون و خاموشی، جب راگ کا یہ سرگم ہو تو پھر ناممکن ہے
کہ اسے سُن کر مال و دولت اور جاہ و حشمت سے دل بیزار نہ ہو۔ شاعری کی
یہ برودت ہماری جیسی مضمحل اور راحت پسند قوم کے حق میں بہت خطرناک ہے
کہیں خدانخواستہ جدّ و جہد کے رہے سہے ولولے اور ترقی کی اُمنگیں پھر سرد

نہ پڑ جائیں اس وقت تو کچھ ایسے حار نسخہ کی ضرورت ہی جس سے دلوں کی افسردگی نکلے۔ اولوالعزمی اُبھرے اور لوگوں میں گرمجوشی پھیلے۔ اس طرح گرم سرد اجزا کی آمیزش سے خود بخود شاعری میں ایک صحت بخش اعتدال پیدا ہو جائے گا۔ علیٰ ہذا قدرت کو لیجئے اِس کے بے شمار عجائبات ہمیشہ سے آنکھوں کے سامنے موجود رہے۔ لیکن ہمارے شاعروں نے کہیں اب جاکر نقاشی شروع کی ہی اور ابھی وہ زمانہ دُور ہی جب کہ نیچر کی تصاویر مُنھ سے بولنے لگیں۔ حاصل کلام یہ کہ اُردو شاعری میں گوناگوں اصلاح و ترقی کی ضرورت و گنجایش ہی اور بحالتِ موجودہ غالباً انگریزی شاعری اس کام میں بہت زیادہ مدد دے سکتی ہی۔

اِسی ضرورت کے خیال سے خدا کا نام لے کر ہم منتخبات نظم اُردو کا ایک باقاعدہ سلسلہ شروع کرتے ہیں۔ مجانست مضامین کے لحاظ سے تین جُداگانہ حصّے قرار پائے ہیں۔

(۱) معارفِ مِلّت حمد، نعت، مناجات اور اخلاقی و قومی نظموں کا گلدستہ

(۲) جذباتِ فطرت یہ مجموعہ غالب مرحوم کے ایک لطیف انکشاف فطرت کی شرح ہے

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

(۳) مناظرِ قدرت اوقات، مقامات، مخلوقات اور واقعات کی دلکش تصاویر کا مرقع۔

ایسے وسیع انتخابات میں سب نظموں کا ادبی حیثیت سے ہم پلّہ ہونا نہ تو ممکن ہے نہ مطلوب۔ چنانچہ اساتذہ کے کلام کے پہلو بہ پہلو نومشق اور غیر معروف شاعروں کی طبع آزمائیاں درج ہیں۔ لیکن شاعری کے رنگ و بو سے کوئی نظم خالی نہیں۔ بعض نظمیں جو ادبی لحاظ سے شاید ادنیٰ خیال کی جائیں اس لیئے خاص طور پر قابلِ قدر ہیں کہ وہ پہلے پہل نئے نئے ضروری مضامین کے صاف ستھرے خاکے بطور نمونہ پیش کرتی ہیں۔ سچ پوچھیئے تو یہ بھی بڑا کام ہے خدا جانے انہی کی دیکھا دیکھی آگے چل کر سحر نگار قلم کیسی کیسی

انوکھی اور پیاری تصاویر کھینچ دکھائیں۔ علاوہ بریں ارتقار شاعری کی تحقیق

میں یہ نظمیں بھی ناگزیر ہونگی۔ پھر کسی جامع انتخاب میں کیونکر نظر انداز ہو سکتی

ہیں اگر کچھ نظمیں بعض حضرات کے لطیف ادبی مذاق پر بار ہوں تو اُمید ہی

کہ وہ معذرت قبول فرمائینگے باینہمہ ان کی ضیافت طبع کے واسطے اساتذہ

کا بھی کافی کلام موجود ہی۔ اگر انار کے کچھ دانے کچّے ہوں تو اس سے باقی

انار کی شیرینی و لطافت میں کچھ فرق نہیں آتا۔

انتخاب اور ترتیب کا طریق خود مجموعوں سے ظاہر ہی۔ اصل مضمون پیش نظر

رکھ کر نظموں سے غیر ضروری اجزا نکالنا، مفید مطلب مقامات چھانٹنا،

حسب صلاحیت اُن کو از سر نو ملانا یا جُداگانہ نظموں کی شکل میں لانا پھر

نظموں کے موزوں عنوانات قرار دے کر اُن کو مضمون وار اس طرح ترتیب

دینا کہ ہر نظم کا موقع محل ایک خاص موزونی اور معنی رکھتا ہو۔ یہ سب اہتمام

کیا تب کہیں اس سلسلۂ منتخبات کا ڈول پڑا۔ آیندہ جوں جوں موزوں کلام

دستیاب ہوگا ہر حصّہ کی متعدّد جلدیں بتدریج شایع کی جائیں گی جو

ساخت اور ضخامت کے لحاظ سے تقریباً یکساں ہونگی۔ اُمید ہی کہ اِس طرح اُردو شاعری کا ایک وسیع انتخاب مرتب ہو جائیگا۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

جن شاعروں کے کلام سے دل و دماغ بلکہ روح کو تفریح و جلا ہوتی ہی اُن کا پورا پورا شکریہ کوئی کس طرح ادا کرے۔ خدائے تعالیٰ اُن کو جزائے خیر دے۔ آمین۔

ملک کو اُردو اور بالخصوص شاعری کو ایسے انتخابات سے جو فائدہ پہنچیگا اُس کے زیادہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ تجربہ خود بہت جلد ثابت کردیگا۔ اَلسَّعیُ مِنِّی وَالاِتمامُ مِنَ اللہِ۔

جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن
اگست ۱۹۲۰ء

الیاس برنی

جذبات فطرت

جلد دوم

فہرست مضامین

ہر جلی عنوان سے ایک نیا مضمون شروع ہوتا ہے اور اُسکے تحت میں مضامین متجانسہ درج ہیں۔

فہرست مضامین جلد دوم

ت مضامین جلد دوم

فہرست مضامین جلد دوم صفحہ

فہرست مضامین جلد دوم

جلد دوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جذباتِ فطرت

۱۔ حضرت امام حسینؑ کا عزمِ سفر

برپا ہے مدینہ میں تلاطم کئی دن سے
ہے راحت و آرام و طرب گم کئی دن سے
ہر گھر میں ہے اک شورِ تظلم کئی دن سے
منہ ڈھانپے ہوئے روتے ہیں مردم کئی دن سے

وہ غم ہے کہ آرام کا جویا نہیں کوئی
راتیں کئی گزری ہیں کہ سویا نہیں کوئی

جلد دوم

کہتا ہے کوئی کیا ہوا یہ بیٹھے بٹھائے کیا جانئے خط کوفہ سے کس طرح کے آئے
روضہ پہ نبی کے شہ دیں رہنے نہ پائے کچھ ایسا ہو یا رب کہ یہ مظلوم نہ جائے
کوفے میں محبت نہ مروّت نہ حیا ہے
خط مکر کے لکھے ہیں بلانے میں دغا ہے

خلقت کا ہے مجمع درِ دولت پہ سحر سے جو آتا ہے روتا ہوا آتا ہے وہ گھر سے
سب کہتے ہیں برسا کے لہو دیدۂ تر سے چھپ جائیگا اب فاطمہ رضؓ کا چاند نظر سے
اندھیر ہے گر یہ شہ والا نہ رہے گا
اب شہر کی گلیوں میں اُجالا نہ رہے گا

در پر کوئی روتا ہے کوئی راہ گذر میں تاریک ہے دنیا کسی غمگیں کی نظر میں
ہیں جمع محلّے کی جو سب بیبیاں گھر میں اک حشر ہے ناموسِ شہِ جن و بشر میں
سب ملکے بکا کرتے ہیں جب آتا ہے کوئی
یوں روتے ہیں جس طرح کہ مر جاتا ہے کوئی

سب کہتے ہیں زینب سے کہ اے شاہ کی شیدا کس طرح کے خط آئے یکایک یہ ہوا کیا
پانی کی کمی، گرمی کے دن خوف کا رستا وہ دھوپ پہاڑ ونکی وہ لوں اور وہ صحرا
کیا سوچ کے اس فصل میں شبیر چلے ہیں بچوں پہ کرو رحم کہ نازوں کے پلے ہیں

منہ دیکھ کے اصغر کا چلا آتا ہے رونا — آرام سے مادر کی کہاں گود میں سونا
جھولا یہ کہاں اور کہاں نرم بچھونا — لکھا تھا اسی سن میں مسافر انہیں ہونا

کیا ہوگا جو میداں میں ہوا گرم چلے گی
یہ پھول سے کملائینگے ماں ہاتھ ملے گی

سنتے ہیں یہ ہر وارد و صادر کی زبانی — جھیلوں میں بھی نہروں میں بھی سب خشک ہی پانی
اس فصل میں ہوتی ہی بہت تشنہ دہانی — کس طرح جئیں گے اسداللہ کے جانی

تو لسا ہوا بچہ کبھی جانبر نہیں ہوتا
جب خشک ہوا پھول تو پھر تر نہیں ہوتا

ہی ہے چھ مہینے کے بھی بچے کا سفر ہے — کچھ تمکو پہاڑوں کی بھی گرمی کی خبر ہے
غربت میں جوانوں کی تلف ہونیکا ڈر ہی — رحم اس پہ ہی لازم کہ یہ بچہ گلِ تر ہے

اصغر کو جدا دکھ ہو قلق ماں کو جدا ہو
گرمی کے سبب دودھ جو گھٹ جائے تو کیا ہو

فرماتی تھی زینب نہیں بہنوں کوئی چارہ — قسمت میں تباہی ہے تو کیا زور ہمارا
گھر چھوڑ کے جانا ہے کسی کو بھی گوارا — مجبور ہے مضطر ہے یہ اللہ کا پیارا

ایّام مصیبت کے ہیں تنہائی کے دن ہیں
غربت کی شبیں بادیہ پیمائی کے دن ہیں

انیس

۲- حضرت صغریٰ ساتھ چلنے کی ضد کرتی ہیں

قربان گئی اب تو بہت کم ہے نقاہت تپ کی بھی ہے شدت میں کئی روز سے خفت
بستر سے میں خود اُٹھ کے ٹہلتی بھی ہوں حضرت پانی کی بھی خواہش ہے غذا کی بھی ہے رغبت
حضرت کی دعا سے مجھے صحت کا یقیں ہے
اب تو مرے منہ کا بھی مزہ تلخ نہیں ہے

کیوں روتے ہو بابا یہ تردد کی نہیں جا سب سہل ہے کچھ مجھکو نہیں ہونے کی ایذا
پہلے سے کہے دیتی ہوں اے سید والا میں خانۂ ویراں میں نہیں رہنے کی تنہا
اب روح مری جسم میں گھبراتی ہے بابا
ان باتوں سے کچھ بوئے فراق آتی ہے بابا

مرجاؤں گی بچھڑی جو مسیح دوسرا سے صحت مجھے ہو جائیگی حضرت کی دعا سے
کٹ جائیگا اندوہ سفر فضل خدا سے بیماری میں جان آئیگی جنگل کی ہوا سے
سب ساتھ ہیں رونگی نہ غم کھاؤنگی بابا
لیٹی ہوئی محمل میں چلی جاؤں گی بابا

کیا تاب اگر منہ سے کہوں درد ہے سر میں اُف تک نہ کروں پھڑکے اگر آگ جگر میں

بھولے سے بھی شب کو نہ کراہونگی سفر میں — قربان گئی چھوڑ نہ جاؤ مجھے گھر میں

ہو جانا خفا راہ میں گر روے گی صغرا
یاں نیند کب آتی ہے جو واں سوئیگی صغرا

وہ بات نہ ہوگی کہ جو بے چین ہو مادر — ہر صبح میں پی لوں گی دوا آپ بنا کر
دن بھر مری گودی میں رہینگے علی اصغر — لونڈی ہوں سکینہ کی نہ سمجھو مجھے دختر

بس یہ نہیں کہتی کہ عماری میں بٹھا دو
بابا مجھے فضہ کی سواری میں بٹھا دو

انیس

(۳) حضرت امام حسینؑ حضرت صغریٰؑ کو سمجھاتے ہیں

ایسا سفر صعب اور اس طرح کا بیمار — ڈر ہے کہ نہ بڑھ جائے کہیں راہ میں آزار
کیا نرگسی آنکھوں سے نقاہت ہے نمودار — سب زرد ہے ازمانِ حرارت سے تنِ زار

چہرے پہ کسی روز بحالی نہیں پاتا
سرعت سے کبھی نبض کو خالی نہیں پاتا

دم چڑھتا ہے بستر سے اٹھاتی ہو اگر سر — بی بی کہو محمل میں چڑھا جائیگا کیونکر

جلد دوم

گھر میں تمھیں پانی کی بھڑک رہتی ہے دن بھر — پھر کیا ہو کسی دن جو نہ پانی ہو میسر
تم جانے کے قابل نہیں، میں رہ نہیں سکتا
شب سے ہے یہ تشویش کہ کچھ کہہ نہیں سکتا

لو چلتی ہے خاک اڑتی ہے گرمی کے ہیں ایام — منزل پہ نہ راحت نہ کہیں راہ میں آرام
بستی میں کہیں صبح تو جنگل میں کہیں شام — دریا کہیں حائل کہیں پانی کا نہیں نام
صحت میں گوارہ ہے جو تکلیف گزر جائے
اس طرح کا بیمار نہ مرتا ہو تو مر جائے

گھر میں تمھیں چھوڑوں نہیں یہ دلکو گوارا — لیجاؤں تو بچنا نہیں ممکن ہے تمہارا
بچوں میں کوئی تم سے زیادہ نہیں پیارا — مجبور ہوں بے ہجر نہیں اب کوئی چارا
فرقت میں سدا نالہ و فریاد کروں گا
اتروں گا جو منزل پہ تمھیں یاد کروں گا

تھوڑے ہی دنوں ہوئیگی کنبہ سے جدائی — پردیس سے آکر تمھیں لیجائینگے بھائی
کی مجھ سے نہ گر کوفہ کی خلقت نے برائی — ممکن ہے کہ میں اور نہ کروں وعدہ وفائی
خوش ہونگا تم اب دل پہ اگر جبر کروگی
مرجاؤنگا جب میں تو نہ کیا صبر کروگی

انیس

۴ - حضرت صغریٰ کی مایوسی

ثابت ہوا صغرا پہ کہ اب ہم رہے گھر میں
بس پھر گئی تنہائی کی تصویر نظر میں
اک جوش ہوا آنسوؤں کا دیدۂ تر میں
صدمے سے کھٹک درد کی پیدا ہوئی سر میں
شکل اپنی شبِ ہجر جو دکھلا گئی اُس کو
کانپا یہ تنِ زار کہ تپ آ گئی اُس کو

مُنہ تکنے لگی ماں کا وہ بیمار بصد غم
چتون سے عیاں تھا کہ چلیں آپ موئے ہم
ماں کہتی تھی مختار ہیں بی بی شہ عالم
میرے تو کلیجے پہ چھری چلتی ہے اس دم
وہ درد ہی جس درد سے چارہ نہیں صغرا
تقدیر سے کچھ زور ہمارا نہیں صغرا

انیس

۵ - حضرت صغریٰ کی زاری و بیقراری

کیا خلق میں لوگو کوئی ہوتا نہیں بیمار
ہے کونسی تقصیر کہ سب ہو گئے بیزار
زندہ ہوں پہ مردہ کی طرح ہو گئی دشوار
کیوں بھاگتے ہیں سب مجھے ہے کونسا آزار

حیرت میں ہوں باعث مجھے کھلتا نہیں اس کا
وہ آنکھ چرا لیتا ہے منہ تکتی ہوں جس کا

تپ کیا مجھے آئی کہ پیام اجل آیا
ہے ہے مری راحت کی بنا میں خلل آیا
چھوڑا مجھے سب نے جو سفر کا محل آیا
کیا خوب مری نخلِ تمنا میں پھل آیا

دل سخت کیا ماں نے مجھے غم ہے اسی کا
سچ ہے کہ زمانے میں نہیں کوئی کسی کا

وہ چاہنے والا ہی مصیبت میں جو کام آئے
میں سب کی ہوئی اور کوئی میرا نہوا ہائے
اس راہ میں ہمراہ کنیزیں تو ہوں اے وائے
کہنے کی جو ہو چاہنے والی وہی رہ جائے

بیماری مزمن میں دوا خوب ہوئی ہے
تجویز مرے واسطے کیا خوب ہوئی ہے

تنہائی میں رونے سے اتر جائیگی یہ تپ
ہاں درد بھی سر میں مرے ہوئیگا نہیں اب
تڑپوں گی تو جائیگی یہ اعضا شکنی سب
بہتر یہی ترکیب ہے نسخہ یہی انسب

کم ہوگی حرارت الم و رنج و محن میں
غم کھانے سے آجائیگی طاقت مرے تن میں

کھوئیگا یبوست کو بھی راتوں کا نہ سونا
تفریح مجھے بخشے گا منہ اشکوں سے دھونا

تسکین ہے بالیں پہ عزیزوں کا نہ ہونا تنفیۂ کامل ہے مرے واسطے رونا جلد دوم

راحت سی شب و روز علاقہ مجھے ہوگا
فاقہ جو کروں گی تو افاقہ مجھے ہوگا

تنہائی ہیں شدت بھی نہوگی خفقاں کی بیمار کا دل بہلے گا وحشت سے مکاں کی
تڑپونگی نہ فرقت میں امام دو جہاں کی شفقت مجھے یاد آئیگی بہنوں کی نہ ماں کی

فرقت میں مری طرح جگر کس سے سنبھلتا
میں گھر میں نہ ہوتی تو یہ گھر کس سے سنبھلتا

سب چاہنے والے ہیں کروں کسکی شکایت بابا کی یہ تقریر ہے بہنوں کی یہ صورت
چھوڑا ہمیں بس دیکھ لی اماں کی محبت بولیں نہ پھوپی جان بھی کچھ واہ ری قسمت

فرقت کا الم میرے کلیجے پہ چھری ہے
سب اچھے ہیں لوگو مری تقدیر بری ہے

انیس

۶۔ حضرت صغریٰ سے حضرت علی اکبر رخصت ہوتے ہیں

پاس آن کے اکبر نے یہ کی پیار کی تقریر کیا مجھ سے خفا ہوگئیں صغرا مری تقصیر

جلد دوم چلانے لگی چھاتی پہ مُنہ رکھ کے وہ دلگیر محبوب برادر ترے قربان یہ ہمشیر
صدقے ترے سر پر سے اُتارے مجھی کوئی
بل کھائی ہوئی زُلفوں پہ وارے مجھے کوئی

پیارے مرے بھیّا مرے مہ رو علی اکبر چھپ جائینگے آنکھوں سے یہ گیسو علی اکبر
یاد آئیگی یہ جسم کی خوشبو علی اکبر ڈھونڈینگی یہ آنکھیں تمہیں ہر سو علی اکبر
دل سینہ میں کیونکر تہ و بالا نہ رہیگا
جب چاند چھپے گا تو اُجالا نہ رہیگا

ہاں سچ ہے کہ بیمار کا بہتر نہیں جانا صحت سے جو ہیں انہیں کہاں میرا ٹھکانا
بھیا جواب آنا تو مری قبر پہ آنا ہم گور کی منزل کی طرف ہونگے روانا
کیا لطف کسی کو نہیں گر چاہ ہماری
وہ راہ تمہاری ہی تو یہ راہ ہماری

مرنا تو مقدم ہی غم اس کا نہیں زنہار دھڑکا ہی کہ جب ہونگے عیاں موت کے آثار
قبلہ کی طرف کون کرے گا رخِ بیمار یسین بھی پڑھنے کو نہو گا کوئی غمخوار
سانس اُکھڑے گی جسوقت تو فریاد کرونگی
میں ہچکیاں لے لے کے تمھیں یاد کرونگی

ماں بولی یہ کیا کہتی ہے صغرا ترے قرباں گھبرا کے نہ اب تن سے نکل جائے مری جاں
بیکس مری بچی ترا اللہ نگہباں صحت ہو تجھے میری دعا ہے یہی ہر آں
کیا بھائی جدا بہنوں سے ہوتے نہیں بیٹا
کنبے کے لیے جان کو کھوتے نہیں بیٹا

انیس

۷۔ قافلہ کی روانگی

یہ کہہ کے چلے قبرِ حسن سے شہِ مظلوم رہوار جو مانگا تو سواری کی ہوئی دہوم
یارانِ وطن گرد تھے افسردہ و مغموم چلاتے تھے خادم کہ چلا خلق کا مخدوم
خالی ہوا گھر آج رسولِ عربی کا
تابوت اسی دہوم سے نکلا تھا نبی کا

تھا نانا کے تک شہر کے اک شورِ قیامت سمجھاتے ہوئے سب کو چلے جاتے تھے حضرت
رو رو کے وہ کہتا تھا جسے کرتے تھے رخصت پائینگے کہاں ہم یہ غنیمت ہے زیارت
آخر تو بچھڑ کر کفِ افسوس ملیں گے
دس بیس قدم اور بھی ہمراہ چلیں گے

قسمیں انہیں دے دے کے کہا شہ نے کہ جاؤ
تکلیف تمھیں ہوتی ہے اب ساتھ نہ آؤ
اللہ کو سونپا تمہیں، آنسو نہ بہاؤ
پھر لے کے نہیں ہم سے بس اب ہاتھ اُٹھاؤ
اس بیکس و تنہا کی خبر پوچھتے رہنا
یارو مری صغرا کی خبر پوچھتے رہنا
روتے ہوئے وہ لوگ پھرے شاہ سدہارے
جو صاحب حشمت تھے وہ ہمراہ سدہارے

انیس

۸ سفر کربلا

وہ گرمیوں کے دن وہ پہاڑوں کی راہ سخت
پانی نہ منزلوں نہ کہیں سایۂ درخت
ڈوبے ہوئے پسینوں میں وہ غازیوں کے رخت
سنولا گئے ہیں رنگِ جوانانِ نیک بخت
راکب عبائیں چاند سے چہرے پہ ڈالے ہیں
تو سنے ہوئے سمند زبانیں نکالے ہیں
وہ دن ہیں جن دنوں کوئی کرتا نہیں سفر
صحرا کے جانور بھی نہیں چھوڑتے ہیں گھر
رنج مسافرت میں ہیں سلطانِ بحر و بر
سب برگ گل سی خشک ہیں چہرے عرق سے تر
آتی ہے خاک اُڑ کے یمین و یسار سے
گیسوے مشکبار اٹے ہیں غبار سے

جنگل کی مصیبت وہ سواری کی تکانیں آپہونچی ہیں ہونٹوں پہ نبی زادوں کی جانیں
سنولائے ہوئے دھوپ میں وہ خشک زبانیں اللہ کے جو نور ہیں یوں خاک وہ چھانیں
ہاں کونسی ایذا ہے جو در پے نہیں ہوتی
بے خار الم راہِ خدا طے نہیں ہوتی

انیس

۹- ورود بمیدانِ کربلا

جب طے کیا شہ نے سفرِ راہِ خدا کو منزل پہ قضا لائی غریب الغربا کو
اِک عید ہوئی عاشقِ ربِّ دوسرا کو بس روک لو باگیں یہ پکارے رفقا کو
گردوں سے فزوں اوج ہی اس پاک زمیں کا
یاں سے نظر آتا ہے چمن خلد بریں کا

اے قافلہ والو یہ ٹھہرنے کی جگہ ہے خیمے کرو برپا یہ اُترنے کی جگہ ہے
دیندار و نکے یہ سر سے گزرنے کی جگہ ہی ہمّت جو خدا دے تو یہ مرنے کی جگہ ہے
ایسی نہ زمیں پھر تہ افلاک ملے گی
یہ خاک وہ ہی جسمیں مری خاک ملے گی

اُترے فرسِ خاص سے سبط شہ لولاک ۔ تھرا کے زمیں زرد ہوئی اُڑنے لگی خاک
آلودہ ہوا گرد سے حضرت کا رُخِ پاک ۔ رومال سے خدام لگے جھاڑنے پوشاک
غم چھا گیا نوبت نہ خوشی ہونے کی آئی
جنگل سے صدا فاطمہ کے رونے کی آئی

جھونکوں سے ہوا کے جو اُڑے پردہ محمل ۔ سینوں میں اُچھلنے لگا سیدانیوں کا دل
زینب نے کہا کیا متوحش ہی یہ منزل ۔ آفات سے محفوظ رکھے خالق عادل
کچھ بادِ مخالف سے نہیں زور کسی کا
طوفاں میں نہ آجائے جہاز آلِ نبی کا

زینب نے کہا شاہ سے با گریہ و زاری ۔ یہ کون سا صحرا ہے بہن ہو گئی واری
مُنہ ڈھانپ کے میں رو چکی ہوں یاں کئی باری ۔ گھبراتی ہی ڈر ڈر کے سکینہ مری پیاری
بانو کو بھی تشویش نے یاں گھیر لیا ہے
کچھ دودھ سے اصغر نے بھی مُنہ پھیر لیا ہی

زینب سے کہا شاہ نے جو خواہش تقدیر ۔ کچھ حکم سے اللہ کے باہر نہیں شبیر
اس دشت کا کیا حال سناؤں تمھیں ہمشیر ۔ کونین میں اس ارض مقدس کی ہی توقیر

گردوں سے ملائک کے اُترنے کی یہ جا ہے
تمکو نہیں معلوم یہی کرب و بلا ہے

انیس

۱۰۔ غنیم کی چھیڑ چھاڑ

جب منزلِ مقصد پہ امامِ زمن آئے
تھا شور کہ مرنے کو غریب الوطن آئے
جنگل میں عجب شان سے گُل پیرہن آئے
مرجھائے ہوئے دھوپ میں نازک بدن آئے
پھولوں سے زمیں بس گئی میدانِ ستم کی
آنے لگی صحرا سے ہوا باغِ ارم کی

فرما کے یہ فراشوں کو عباس پکارے
ہاں خیموں کو برپا کرو دریا کے کنارے
سب لوگ تھکے ماندے ہیں لشکر کے ہمارے
فراشوں نے باراونٹوں کے یہ سن کے اُتارے
ناگاہ نشاں ظلم کے برپا نظر آئے
خیمہ ابھی کھلنا تھا کہ اعدا نظر آئے

میداں سے سواروں نے یہ بڑھ بڑھ کے پکارا
تم کون ہو کیا کام ہے دریا پہ تمھارا
فوج آتی ہے جلدی کرو ساحل سے کنارا
ہوگا لبِ جو شام کے لشکر کا اُتارا

ہتھوالس کے تیغ و سپر اکبر یہ پکارے
کیا بکتے ہو بیہودہ سخن منہ پہ ہمارے

کہتا ہوں میں دیکھو قدم آگے نہ بڑھانا
آساں نہیں شیروں کا ترائی سے اٹھانا
حیدر کے پسر ہیں ہمیں کیا تم نے ہی جانا
قبضے ابھی پکڑیں تو اُلٹ جائے زمانا
کر دیں ابھی یوں زیر و زبر ہفت طبق کو
جس طرح اُلٹ دیتے ہیں اُنگلی سے ورق کو

انیس

۱۱۔ قاصد کی خبر

مانندِ ہوا دوڑ گیا پیکِ صبا دم
پھر آیا وہ اور کہہ کے یہ مجرے کو ہوا خم
قائم رہے اقبال شہنشاہِ دو عالم
کوفے کی ہوئی فوج لبِ نہر فراہم
سب چار ہزار اس میں زرہ پوش جواں ہیں
پیچھے تو صفیں فوج کی ہیں آگے نشاں ہیں

اکبر نے کہا ہوتا تھا کیا فوج میں چرچا
تھرّا گیا اور سر کو وہ نیوڑا کے یہ بولا
شہزادۂ کونین جو کچھ آپ نے پوچھا
ہو وے یہ زباں قطع اُسے عرض کروں کیا

کہتا تھا یہ لشکر عمر سعد شقی کا
سر لینے کو آئے ہیں حسینؑ ابن علیؑ کا

عباس لگے کانپنے ہونٹوں کو چبا کر	کی تیغ کے قبضے پہ نظر غیظ میں آکر
فرمایا کہ دیکھوں تو میں اس فوج کو جا کر	روکا شہ مظلوم نے چھاتی سے لگا کر
سوچے کہ نہ آداب میں شہ کے خلل آئے
غصے سے یہ تھرائے کہ آنسو نکل آئے

انیس

۱۲۔ غنیم کی پیشقدمی

تھے مستعد جنگ اسی روز ستمگر	روکے ہوئے تھے فوج کو عباس دلاور
تولے ہوئے تلوار یہ فرماتے تھے اکبر	آگے جو بڑھا پاؤں تو ہو جائیگا بے سر
دیکھو کدھر آتے ہو یہ کیا بے ادبی ہے
یاں خیمۂ ناموس رسول عربی ہے

خیمے میں گئے حضرت عباس دلاور	حضرت نے کہا شور یہ کیسا ہے برادر
کی عرض چڑھے آتے ہیں خیمہ پہ ستمگر	قبضہ پہ ادھر ہاتھ دھرے ہیں علی اکبر

خاموش ہیں سب حکم امامِ دوجہاں سے
ارشاد ابھی ہو تو ہٹا دوں انھیں یاں سے

آگے مرے بڑھ بڑھ کے نشاں فوج کی کھولے
مُنہ پر کئی بار آ گئے تلواروں کو تولے
سینے میں لگی آگ پڑے دلمیں پھپھولے
آقا کے مگر خوف سے کچھ ہم نہیں بولے
نامردشقی صاحبِ شمشیر ہوئے ہیں
روباہ طرح دینے سے کیا شیر ہوئے ہیں

انیس

۱۳- شبِ شہادت

تھا خانۂ غم خیمۂ شاہنشہ والا
آندھی یہ پریشاں تھی کہ دل تھا تہ و بالا
مشعل نہ ٹھہرتی تھی نہ شمعوں کا اُجالا
خیمہ بھی اندھیرے میں نظر آتا تھا کالا
خاک اُڑتی تھی منہ پر حرمِ شیرِ خدا کے
تھا چین بجبیں فرش بھی جھونکوں سے ہوا کے

جنگل کی ہوا اور درندوں کی صدائیں
تھراتی تھیں بچوں کو چھپائے ہوئے مائیں
دھڑکا تھا کہ دہشت سے نہ جانیں کہیں جائیں
روتی تھی کوئی اور کوئی پڑھتی تھی دعائیں

گود وہ میں بھی راحت نہ ذرا پاتے تھے بچے
جب بولتے تھے شیر تو ڈر جاتے تھے بچے

بچوں کے بلکنے پہ حرم کرتے تھے زاری
غش ہو گئی تھی بالی سکینہ کئی باری
چلاتی تھی رو رو کے وہ شبیر کی پیاری
یا حضرت عباس چلی جان ہماری
افسوس کہ پانی کا تو قطرہ نہیں گھر میں
اور آگ لگی ہے مرے ننھے سے جگر میں

تھے دوسرے خیمہ میں ادھر سبطِ پیمبر
دربار میں حاضر تھے رفیقانِ دلاور
اک پہلو میں قاسم تھے اور اک پہلو میں اکبر
اکبر کے ادھر لختِ دلِ زینبِ مضطر
شبیر محبت سے سخن کرتے تھے سب سے
عباس علی سامنے بیٹھے تھے ادب سے

ہر گرم تھے مرجانے پہ سب شاہ کی انصار
عباس سے یہ کہتا تھا وہ کُل کا مددگار
تم رہیو ذرا خیمہ ناموس سے ہشیار
ڈر ہے نہ کرے بے ادبی لشکرِ کفار
بیدینوں کو راحت مری منظور نہیں ہے
شب خوں جو ادھر سے ہو تو کچھ دور نہیں ہے

یہ ذکر ابھی تھا کہ یکایک خبر آئی
اے چاند ید اللہ کے شب دو پہر آئی

حضرت کو ستاروں کی جو گردش نظر آئی دل یاد خدا کرنے لگا چشم بھر آئی

فرمایا بڑا اجر ہے بیداری شب کا

اے تشنہ لبو وقت ہے یہ طاعت رب کا

انیس

۱۴- حضرت امام حسینؑ کی تلقین

اب عمر بھی آخر ہے نمازیں بھی ہیں آخر بے توشہ پہنچتا نہیں منزل پہ مسافر

ہر وقت ہے ربِ دوجہاں حاضر و ناظر اجر ان کا مضاعف ہے جو ہیں صابر و شاکر

مشکل نہ کسی رنج کو سمجھے نہ بلا کو

بندہ وہی بندہ ہے جو بھولے نہ خدا کو

نام اس کا رہے ورد سفر ہو کہ حضر ہو موجود سمجھ لے اسے جنگل ہو کہ گھر ہو

سجدے ہی کرے دکھ میں کہ راحت میں بسر ہو تسبیح میں شب ہو تو نمازوں میں سحر ہو

عشقِ گلِ تر ظلم کے خاروں میں نہ بھولے

معشوق کو تلواروں کی دھاروں میں نہ بھولے

چومے لبِ سوفار جو سینے پہ لگے تیر دم عشق کا بھرتا رہے زیرِ دمِ شمشیر

زخموں کو یہ سمجھے کہ ملا گلشنِ توقیر
تکبیر کا نعرہ ہو زباں پر دمِ تکبیر

کٹنے میں رگوں کے نہ صدا آہ کی نکلے
ہر رنگ میں بُو اُلفتِ اللہ کی نکلے

شہ نے سخنِ معرفتِ حق جو سُنائے
اشک آنکھوں میں ہر عاشقِ صادق کی بھر آئے

کچھ پیاس کا شکوہ بھی زباں پر نہیں لائے
سجّادے وہیں لا کے دلیروں نے بچھائے

تکبیریں ہوئیں لشکرِ اللہ و بنی میں
سب محو ہوئے یادِ جنابِ اُحدی میں

انیس

۱۵۔ صبحِ شہادت

جب رات عبادت میں بسر کی شہِ دیں نے
سجدوں میں مہم عشق کی سر کی شہِ دیں نے

دیکھا جو سپیدی کو سحر کی شہِ دیں نے
مڑ کر رخِ اکبر پہ نظر کی شہِ دیں نے

فرمایا سحر قتل کی ظاہر ہوئی بیٹا
لو اُٹھ کے اذاں دو کہ شب آخر ہوئی بیٹا

دنیا میں ازل سے سحر ایسی نہیں آئی
یہ صبح دکھائیگی بھرے گھر کی صفائی

دولت نہ رہیگی نہ بضاعت نہ کمائی
بیٹے سے جدا ہوگا پدر بھائی سے بھائی
آج احمد و حیدر کے گریبان پھٹینگے
اٹھارہ بنی فاطمہ کے حلق کٹینگے

بندہ وہی جو دکھ میں رہے صابر و شاکر
اک جاں ہی سو موجود ہی اک سر ہی سو حاضر
بہتر ہے اٹھے جتنا سبکبار مسافر
یہ مرحلہ عمر کی ہے منزل آخر
خلقت ہمیں سر پیٹے گی رویگی جہاں میں
اب صبح کوئی ہم کو نہ ہوئیگی جہاں میں

یہ کہہ کے بڑھے بہر تیمم شہ صفدر
جنگل میں اذاں دینے لگا دلبر سرور
وہ صوت حسن اور وہ خوش لحنی اکبر
ہر شخص کو یاد آ گئی آواز پیمبر
ہر نخل کو اک وجد تھا اس ظلم کے بن میں
تھا بلبل حق گو کہ چہکتا تھا چمن میں

اکبر کی صدا سنتے ہی زینب یہ پکاری
تا حشر رہے خلق میں آواز تمہاری
قربان موذن کی نمازی کے میں واری
قائم یہ جماعت رہے یا حضرت باری
ہر شام یونہی طاعت معبود ادا ہو
ہر صبح کو اس دین کے ڈنکے کی صدا ہو

آگے تھا عبا اوڑھے ہوئے شاہِ حجازی   پیچھے تھے صفیں باندھے ہوئے سارے نمازی
ابرارِ جہاں فخرِ زماں صفدر و غازی   تھی انپہ خدا کو نظر بندہ نوازی
دنیا میں یہ رتبے نہ کبھی ہونگے کسی کے
معراج میں تھے ساتھ حسین ابنِ علی کے

وہ چاند سے چہرے وہ سپید انکی عبائیں   وہ خشک زبانوں پہ اثر دار دعائیں
لہجے وہ عرب کے وہ خوش آیند صدائیں   مشتاق تھیں حوریں کہ یہ جلدی ادھر آئیں
اک جوشِ محبت انھیں دکھلاتا تھا کوثر
کیا سب کی ملاقات پہ لہراتا تھا کوثر

تسبیح و وظائف سے ہوئی جبکہ فراغت   حضرت نے پڑھی اُٹھ کے محمدؐ کی زیارت
بس ہو گئی اک مجلسِ ماتم وہ جماعت   فرما کے یہ ان سب سے گئے خیمہ میں حضرت
باہر علمِ فوجِ خدا لاتے ہیں جلدی
سب لوگ مسلح ہوں کہ ہم آتے ہیں جلدی

انیس

۱۶۔ حضرت زینب کے کمسن صاحبزادوں عونؓ و محمدؓ کا جوشِ شجاعت

(عون اور محمدؓ حضرت زینب کے دو کمسن صاحبزادے تھے جن کی عمر بارہ چودہ چودہ سال کے قریب ہو گی۔ میدان کارزار میں ان کا کارنامہ بھی یادگار زمانہ رہیگا ذیل کی نظموں میں انہی کی شہادت کا حال مذکور رہا ہے)

نام خدا ہیں عونؓ و محمدؓ بھی کیا شکیل
اِک مہر بینظیر ہے اک بدر بے عدیل
افروختہ ہیں رخ پہ شجاعت کی ہے دلیل
ہمت بڑی ہی گو کہ ہیں عمریں ابھی قلیل
مثل علی ہیں جنگ و جدل پر تُلے ہوئے
دونوں کے نیمچوں کے ہیں ڈورے کُھلے ہوئے

وہ اشتیاق جنگ میں لڑکوں کے ولولے
بیتاب تھے کہ دیکھیئے تلوار کب چلے
چہرے وہ آفتاب سے وہ چاند سی گلے
سب فاطمہ کی بیٹیوں کی گود کے پلے
اک اک رسولِ حق کی لحد کا چراغ تھا
جس پر علی نے کی تھی ریاضت وہ باغ تھا

اکبر سے عرض کرتے تھے سینہ سپر کئے
یہ پیچھے نہ لیوینگے دم ہے لہو پئے
گر آج مرگئے تو قیامت تلک جئے
صدقے ہوں اس قدم پہ یہ سر ہیں اسی لئے

آقا کے آگے لطف ہے تیغ آزمائی کا
آج آپ دیکھئے گا تماشہ لڑائی کا

بچپن پہ خادمان اولوالعزم کی نہ جائیں
جب چاہیں معرکہ میں ہمیں آپ آزمائیں
تن تن کے برچھیاں ہنس ہنس کے زخم کھائیں
بجلی گرے تو منہ پہ جھپک کر سپر نہ لائیں

جھپکے پلک کسی سے تو آنکھیں نکالئے
بڑھ کر ہٹیں جو پاؤں تو سر کاٹ ڈالئے

کہتے تھے مسکرا کے یہ زینب کے دونوں لال
کھلتے ہیں خوب دلیروں کے جوہر دم جدال
ہر وقت چاہئے مدد شیر ذوالجلال
نعرے ابھی کریں تو ہلے عرصۂ قتال

اُتری ہے تیغ جن کے لئے وہ دلیر ہیں
سب ہمکو جانتے ہیں کہ شیروں کے شیر ہیں

یہ چپکے جو کرتے تھے باہم وہ گلعذار
شبیر دیکھتے تھے کنکھیوں سے بار بار
پاس آکے عرض کرتے تھے عباس نامدار
سنتے ہیں آپ، کہتے ہیں جو کچھ یہ جان نثار

جرأت ٹپک رہی ہے ہر اک کے کلام سے
یہ پیچھے رہینگے بھلا فوج شام سے

دم یہ سن یہ زور شور یہ عمر یں یہ آن بان   یہ بھولے بھولے مُنہ یہ جوانمردیاں یہ شان
باتیں رجز سے کم نہیں اللہ رے خوش بیان   چلتی ہے ذو الفقار علی کی طرح زبان
کس دبدبہ سے کاندھوں پہ نیزے سنبھالے ہیں
گویا چلن لڑائی کے سب دیکھے بھالے ہیں

انیس

۱۷۔ صاحبزادوں کو علمبرداری کی تمنّا

زینب کے پسر مشورہ کرتے تھے یہ باہم   کیوں بھائی عَلم لینے کو ماموں سے کہیں ہم
تائیدِ خدا چاہیے گو عمر میں ہیں کم   عہدہ تو ہمارا ہے یہ آگاہ ہے عالم
واقف ہیں سبھی حیدر و جعفر کے شرف سے
حق پوچھو تو حقدار ہیں ہم دونوں طرف سے

دادا بھی علمدار تھے نانا بھی علمدار   ہم اپنے بزرگوں کے ہیں منصب کے طلبگار
کہتا تھا بڑا عرض کا موقع نہیں زنہار   ہیں بادشہ کون و مکان مالک و مختار
عہدہ تو بڑا یہ ہے کہ ماموں پہ فدا ہوں
چپکے رہو اماں نہ کہیں سُن کے خفا ہوں

مطلب نہ علم سے نہ حشم سے ہمیں کچھ کام
مٹ جائیں نشاں بس یہی عہدہ ہی کام جلد دوم

یہ سر ہے نثارِ قدم شاہِ خوش انجام
عزت رہے بھائی یہ دعا ہے سحر و شام

آقا جسے چاہیں علمِ فوجِ خدا دیں
مشتاق اجل ہیں ہمیں مرنے کی رضا دیں

انیس

۱۸۔ صاحبزادوں کی طلب اذنِ جنگ

(حضرت زینب کے کمسن فرزند عون و محمد میدان میں جانے کے
واسطے بیتاب ہیں)

ناگاہ ہوا شورِ مبارز طلبی کا
پھر قصد لعینوں نے کیا بے ادبی کا

منہ سرخ ہوا غیظ سے ہمشکل نبی کا
رایت بھی بڑھا فوجِ رسولِ عربی کا

حیدر کے نواسوں کے بھی ابرو پہ بل آیا
چھوٹا تو یہ بگڑا کہ پرے سے نکل آیا

گھبرا کے پکارے جو انہیں سید ابرار
بس پھر کے گرے پاؤں پہ آقا کے وہ جرار

کی عرض بصد عجز کہ اے کل کے مددگار
ہم دونوں غلام اب ہیں اجازت کے طلبگار

بیتاب ہیں دل جان مصیبت میں پڑی ہے
اے نورِ خدا ذرہ نوازی کی گھڑی ہے

حضرت یہ ہے روشن جو ہمارا ہے ارادہ سن کم ہے پہ ہمت ہے جوانوں سے زیادہ
نانا تو علی جعفر طیار ہے دادا ہم ڈھونڈتے ہیں صبح سے فردوس کا جادا
شیروں کی طرح بیشۂ حیدر میں پلے ہیں
تلواروں سے ہم کھیل کے اس گھر میں پلے ہیں

وہ تیغ کے مالک ہیں تو مختار ہیں ہم بھی دادا کی طرح مرنے پہ تیار ہیں ہم بھی
نانا تھے جو کرّار تو جرّار ہیں ہم بھی سر دے کے شہادت کے طلبگار ہیں ہم بھی
ہے جوش وفا عمر کے پیمانے بھرے ہیں
ہم صبح سے سر نذر کو ہاتھوں پہ دھرے ہیں

بسمل جو ہوئے مسلم مظلوم کے پیارے ہم خیمہ میں جا سکتے نہیں شرم کے مارے
اماں نے کہا ہوگا کہ ابتک نہ سدھارے جانوں کو بچاتے ہیں جگر بند ہمارے
قاصر ہیں جو توقیر شہادت نہیں ملتی
کیا جانے اسے وہ کہ اجازت نہیں ملتی

عورت ہیں یہ خو بو شہ مردوں کی ہے ساری شب کو بھی یہ فرمایا تھا ہم سے کئی باری

تم یہ نہ سمجھیو کہ میں عاشق ہوں تمہاری بھائی سے مجھے جان نہ اولاد ہی پیاری
کس کام کے پھر سر جو تصدق نہ کروگے
تب دودھ میں بخشونگی جو عزت سے مروگے

ہم آپ سی مرنے کے لئے جا نہیں سکتے زخم تبر و تیر و سناں کھا نہیں سکتے
بے حکم جو مطلب ہے اُسے پا نہیں سکتے آداب سی کچھ لب پہ سخن لا نہیں سکتے
ہم پیچھے رہیں سب سے یہ تقدیر ہماری
ہاتھ آپ کے ہے عزت و توقیر ہماری

انیس

۹- حضرت زینب دونوں صاحبزادوں کو رخصت کرتی ہیں

حضرت زینب کے دونوں کم سن فرزند عون و محمدؐ بہت اصرار کے بعد اپنے ماموں حضرت امام حسین علیہ السلام سے میدان جانے کی اجازت حاصل کرتے ہیں۔ والدہ لڑکوں کی تاخیر سے بدگمان اور بے چین ہو رہی ہیں۔ حتیٰ کہ دونوں بھائی جھگڑتے آتے ہیں کہ میدان میں پہلے کون جائے۔ اماں فیصلہ کر کے ہمّت بڑھاتی ہیں۔

جلد دوم
ماموں پہ یہ آفت ہی اور انکو نہیں کچھ دہیان ... اب صدقے نہ ہونگے تو کب ہوینگے قربان
بن باپ کے بچے تو سدہارے سو میدان ... ہشیار ہیں عاقل ہیں کچھ ایسے نہیں نادان

شب تک تو وہ مرنے کی قسم کھاتے تھے مجھسے
ہاں دودھ انھیں باتوں پہ بخشاتے تھے مجھسے

وہ کیا تھا جو دونوں کیا کرتے تھے تقریر ... ہو جائیں گے ہم پہلے نثارِ سرِ شبیرؑ
اب کیا ہی جو مرجانے میں کرتے ہیں وہ تاخیر ... شرمندہ ہوئی بھائی سے ہای ہی مری تقدیر

وہ جانے نہ دیتے تھے اگر فوجِ ستم پر
کیوں گر نہ پڑے دوڑ کے ماموں کے قدم پر

اچھا کیا جو کچھ کیا مرنے کو نہ جائیں ... پر کوئی یہ کہہ آئے کہ اب گھر میں نہ آئیں
کیا کام ہی مجھسے مجھے صورت نہ دکھائیں ... مادر کی ملاقات سے بس ہاتھ اُٹھائیں

پھر جائیں وطن چھوڑ کے مجھ خستہ جگر کو
ماں مرگئی آباد کریں باپ کے گھر کو

دل سے یہ بیاں کرتی تھی زینب جگر افگار ... اتنے میں پسر آکے گرے قدمونپہ اکبار
کی دستِ ادب جوڑ کے یہ عون نے گفتار ... ہی بھائی میں اور مجھ میں بڑی دیر سے تکرار

میں کہتا ہوں مرنیکو مجھے جانے دو پہلے
یہ کہتے ہیں تلواریں مجھے کھانے دو پہلے

کبتک میں بھلا رنج عزیزوں کے اُٹھاؤں
سمجھائیں اُنھیں آپ تو میں مرنے کو جاؤں

زخمِ تبر و تیر و سناں سینے پہ کھاؤں
اعدا کو شجاعت شہِ مرداں کی دکھاؤں

مردوں کا دلیروں کا یہی کام ہے اماں
لڑ لے جو اکیلے تو بڑا نام ہے اماں

یہ سُن کے جو خاموش ہوا عونِ خوش اطوار
صدمے سے نہ چھوٹے کو رہی طاقتِ گفتار

بس آنکھوں کو مل مل کے وہ رونے لگا اکبار
کی عرض سنا آپنے اے مادرِ غمخوار

کیا جانئے کس بات پہ ہم سے یہ خفا ہیں
ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ باپ کی جا ہیں

ہمنے تو کبھی ان کو اکیلا نہیں چھوڑا
خدمت سے غلامی کی کبھی مُنہ نہیں موڑا

سر پاؤں پہ سو بار دھرا ہاتھوں کو جوڑا
ٹھیرا کے جدائی کا سخن دل مرا توڑا

ہم تو کسی مشکل کو بھی مشکل نہیں سمجھے
شاید ہمیں یہ جنگ کے قابل نہیں سمجھے

چھوٹی ہیں جواب اس کا بڑے بھائی کو کیا دیں
اچھا ہمیں لاکھوں سہی یہ لڑنیکی رضا دیں

پیچھے جو ہٹیں پاؤں تو جو چاہیں سزا دیں　　میداں سے خدا چاہے تو لشکر کو بھگا دیں

جانبازوں کے نزدیک نہیں ملکِ عدم دور

نہ فوجِ ستم دور نہ یہ دور نہ ہم دور

دنیا میں کوئی اور بھی ہم سا ہے دلاور　　ہم شیر ہیں شیروں کو نہیں مرنے کا کچھ ڈر

اک حملے میں گر ہم نہ الٹ دیں صفِ لشکر　　پھر دودھ نہ اپنا ہمیں تم بخشیو مادر

شہ کے قدمِ پاک پہ سر دے کے پھرینگے

یا رن سے سرِ شمرِ و عمر لے کے پھرینگے

خاطر تو نہ ان کی نہ مری کیجئے مادر　　انصاف سے فرمائیے از بہرِ پیمبرؐ

کس طرح کہوں میں کہ چلے جائیں برادر　　چھوٹا تو جئے اور بڑا بھائی ہو بے سر

بچپن سے سدا ساتھ رہے ساتھ پلے ہیں

کیسی ہے یہ الفت کہ ہمیں چھوڑ چلے ہیں

بیٹوں کے سخن سُن کے یہ کہنے لگی زینب　　ہاں دیر کا باعث یہی تھا مجھ پہ کھلا اب

قربان گئی سمجھی میں تم دونوں کا مطلب　　ماموں پہ ستم ہو یہ گوارا ہے تمھیں کب

جس کام کے تم ہو یہ اسی کام کا دن ہے

کس طرح سے سبقت نہ کرو نام کا دن ہے

آپس کی جدائی جو گوارا نہیں پیارو | جھگڑا ہیں چکا دیتی ہوں لو ساتھ سدھارو جلد دوم
ماموں کے جو دشمن ہیں انھیں گھیر کے مارو | سرداروں کے سر چھوٹی سی تیغوں سے اُتارو

باندھی ہے کمر دونوں ستمگاروں نے شر پر
ایک شمر پہ حملہ کرے اور ایک عمر پر

جھپکے نہ پلک سر پہ جو شمشیرِ اجل آئے | چھاتی پہ لگے تیر تو ابرو پہ نہ بل آئے
قاصر نہ ہو ہمت نہ شجاعت میں خلل آئے | چھاتی نہ ہٹے سینہ پہ برچھی کا جو پھل آئے

لوگ ایسے ہی جانبازوں کو روتے ہیں جہاں میں
شیروں کے پسر شیر ہی ہوتے ہیں جہاں میں

نعرے کرو ایسے کہ دلِ کوہ دہل جائے | جل جائے وہ صف، وار جدھر تیغ کا چل جائے
رستم ہو تو گھبرا کے صفِ جنگ سے ٹل جائے | مچھلی کی طرح ایک سے ایک آگے نکل جائے

لشکر پہ جھپٹ کر اس طرح جائیو، واری
روکے ہوئے اعدا کو بڑھے جائیو، واری

شیروں کے لئے ننگ ہی تلوار سے ڈرنا | میدان میں تن تن کے سپر سینوں کو کرنا
ہر زخم پہ دم الفتِ شبیر کا بھرنا | قربان گئی جینے سے بہتر ہے یہ مرنا

دنیا میں بھلا عزتِ اسلام تو رہ جائے
تم جیتے رہو یا نہ رہو نام تو رہ جائے

نانا کی طرح کون وغا کرتا ہے دیکھوں
سر کون ہزاروں کے جُدا کرتا ہی دیکھوں
حق کون بہت ماں کا ادا کرتا ہی دیکھوں
ایک ایک صفِ جنگ میں کیا کرتا ہی دیکھوں
دکھلائیو ہاتھوں سے صفائی کا تماشا
میں پردے سے دیکھونگی لڑائی کا تماشا

انیس

۲۰- دونوں صاحبزادوں کی روانگی

دو روز کے پیاسو تمھیں اللہ کو سونپا
حیدر کے نواسو تمھیں اللہ کو سونپا

ماں صدقے بزرگوں کا چلن بھول نجانا
سیکھے ہو جو کچھ جنگ کا فن بھول نجانا
آدابِ شہنشاہِ زمن بھول نہ جانا
جو میں نے کہا ہی وہ سخن بھول نجانا
وہ کہتے تھے جرأت تو خداداد ہے اماں
تشویش نہ کیجے ہمیں سب یاد ہے اماں

لاش آئے جو رن سے تو نہ دم ماریو اماں
گہوارۂ اصغر پہ ہمیں واریو اماں

یہ کہکے رکابوں میں قدم دونوں نے ڈالے
گھوڑوں پہ ہوئے جلوہ نما گیسوؤں والے
تن تن کے رکھے کاندھوں پہ جو بچوں نے بھالے
ماں تکتی تھی ہاتھوں سے کلیجے کو سنبھالے
رہوار کو ترجیح تھی چلنے میں صبا پر
دو چاند کے ٹکڑے نظر آتے تھے ہوا پر

تسلیم کو گھوڑوں سے جھکے دونوں وہ خوش رو
دل ماں کا یہ امڈا کہ ٹپکنے لگے آنسو
باگیں جو اٹھائیں تو فرس بن گئے آہو
پھر دیکھنے پائی نہ انھیں زینبِ خوش خو
میداں کی طرف یاس سے منہ رہ گئی تک کر
پنہاں ہوئے بدلی میں ستارے سے چمک کر

انیس

۲۱- دونوں صاحبزادوں کی جانبازی

(عون و محمد غنیم پر حملہ کرتے ہیں)

گھوڑوں کو اڑاتے ہوئے پہونچے جو بہادر
فوج ستم آرا ہوئی سب غرقِ تحیّر

اِک شور ہوا کون سے دریا کے ہیں یہ دُر لڑکے ہیں یہ اللہ رے اقبال و تہوّر
کیا جانیے کیا نام ہیں انکے اب و جد کے
تیور سے یہ پیدا ہی کہ بچّے ہیں اسد کے

برچھی سلئے انبوہ سواروں کا جب آیا شہزادوں نے رانونمیں سمندوں کو دبایا
اِک شور ہوا غیظ رحیموں کو اب آیا وہ نیمچے بجلی سے جو چمکے غضب آیا
آخر وہ جری لختِ دلِ ضیغمِ دیں تھے
سر تھے صفِ اوّل کے کہیں جسم کہیں تھے

جانبازیاں دکھلاتے تھے میدانمیں وہ جانباز دل تھامے ہوئے دیکھتے تھے شاہِ سرافراز
قاسم کا سخن تھا کہ علی کا ہے سب انداز فرماتے تھے اکبر یہ لڑائی ہے کہ اعجاز
بڑھتے تھے کبھی گاہ سرک جاتے تھے عباس
جب وار وہ کرتے تھے پھڑک جاتے تھے عباس

ہر بار صدا دیتے تھے اے گیسوؤں والو کیا کہنا ہے پھر بڑھ کے یہی ہاتھ نکالو
رہوار بڑھے جاتے ہیں باگوں کو سنبھالو حلقہ ہی کڑی آنکھ زرہ پوش پہ ڈالو
اب ہٹنے کی مہلت مری جاں ان کو نہ دینا
منت بھی کریں گر تو اماں ان کو نہ دینا

سیدانیاں دروازوں پہ ہیں کھولے ہوئے سر　　اصغر کو لئے کانپتی تھی بانوئے بے پر
فضہ تھی پریشاں کئے منہ خیمہ کے باہر　　پردے سے لگی کہتی تھی یہ شاہ کی خواہر
بتلا مجھے بچے مرے کیا کرتے ہیں دونوں
وہ کہتی تھی لاکھوں سے وغا کرتے ہیں دونوں

وہ رخ پہ نظر آتے ہیں اڑتے ہوئے گیسو　　وہ نیمچے بجلی کی طرح گرتے ہیں ہر سو
ڈھالیں لئے وہ بھاگتے پھرتے ہیں جفاجو　　وہ ابر میں چھپ چھپ کے نکل آتے ہیں مہ رو
بہتا ہے لہو چھاتیوں سے چور ہیں دونوں
کس طرح پکاروں کہ بہت دور ہیں دونوں

زینب نے کہا دونوں ہیں یکجا کہ جدا ہیں　　کی عرض یہ رو کر کہ نہیں ایک ہی جا ہیں
لاکھوں ہیں عدو اور وہ دو ماہ لقا ہیں　　منہ نہر سے پھیرے ہوئے سرگرم وغا ہیں
دم خوف سے سینے میں سماتا نہیں اب تو
ہے ہے مجھے چھوٹا نظر آتا نہیں اب تو

یہ سنتے ہی ڈیوڑھی سے ہٹیں حضرت زینب　　فرمایا کہ بچوں کا مرے خاتمہ ہے اب
اب کچھ نہیں وسواس بر آیا مرا مطلب　　لو بیٹیو ملکر صف ماتم پہ چلو اب

بچے مرے داخل ہوئے خیلِ شہدا میں
سجدہ تو کروں شکر کا درگاہ خدا میں

انیس

۲۲۔ حضرت عباس کا جوش محبت

بھائی کے لئے جی سے گزر جاتا ہی بھائی
جاتا ہی برادر بھی جدھر جاتا ہے بھائی
کیا بھائی ہو تیغو نمیں تو ڈر جاتا ہی بھائی
آنچ آتی ہی بھائی پہ تو ڈر جاتا ہے بھائی
نعشیں بھی بہم زیر زمیں ہوتی ہیں اکثر
قبریں بھی پس مرگ قریں ہوتی ہیں اکثر

عاشق کہیں معشوق سی کرتے ہیں کنارہ
بلبل کو کبھی گُل کی جدائی ہے گوارا
قمری کو بجز سرِو چمن کون ہے پیارا
گردن سے کبھی طوقِ غلامی نہ اُتارا
سر تن سے جدا ہو پہ نہ جانا نہ جدا ہو
اندھیر ہے گر شمع سے پروانہ جدا ہو

فرزند محمدؐ ہے مرا مالک و مختار
فرمائیں تو دریا میں ابھی ڈال دوں ہوار
کہدیں تو ابھی کو دپڑوں آگ میں اکبار
گر حکم وغا دیں تو کروں لاکھوں سی پیکار

رستم ہوں تو ان کا ہوں جو صفدر رہوں تو ان کا
بندہ ہوں تو ان کا جو برادر رہوں تو ان کا

انیس

۲۳- حضرت عباس کی روانگی

خیمے میں ہوا غل کہ چلے حضرتِ عباس ۔۔۔ سب بولے کہ لو اور بھی سر ہوئے بے آس
گھبرا کے سکینہ نے کہا تب یہ بصد یاس ۔۔۔ کیا کہتی ہو تم مجھکو تو جانے دو چچا پاس
منہ شہ سے وہ موڑینگے نہ مانونگی کبھی میں
عمو مجھے چھوڑینگے نہ مانوں گی کبھی میں

میں جیتی ہوں کیا ایسا چلا جانا ہے آساں ۔۔۔ دامن جو چھڑائیں تو کروں چاک گریباں
عباس کی زوجہ نے کہا سچ ہے میں قرباں ۔۔۔ جائیں کبھی ایسے نہیں بی بی کے چچا جاں
کیا جانئے واں مشورے کیا ہوتے ہیں بی بی
پر کچھ نہ کچھ ایسا ہے کہ سب روتے ہیں بی بی

یہ سنتے ہی گھبرا کے چلی شاہ کی جائی ۔۔۔ رستے میں کہیں گر پڑی ٹھوکر کہیں کھائی
سرکاتی ہوئی بھیڑ کو اس وقت وہ آئی ۔۔۔ جس وقت کہ ملتا تھا گلے بھائی سے بھائی

چلائی کہ سمجھی ہیں جہاں چھپ کے چلے تھے
آتی ہوں بھلا مجھ سے کہاں چھپ کے چلے تھے

بتلائیے جاتی ہے کدھر آج سواری اس پیاس میں لی واہ خبر خوب ہماری
دم گھٹتا ہے بولو تو چچا جان میں واری کیوں تم سے گلے ملکے پدر کرتے ہیں زاری
بر میں ہے زرہ، تیغ لگائی ہے کمر سے
ہوتے ہو جدا کیا مرے مظلوم پدر سے

عباس پکارے میں اس آواز کے قرباں ہم جاتے ہیں پانی کیلئے آؤ مری جاں
دامن سے لپٹ کر یہ لگی کہنے وہ ناداں میں گھر سے تمھیں جانے نہ دونگی کسی عنواں
بابا کا مرے کوئی مددگار نہیں ہے
صدقے گئی پانی مجھے درکار نہیں ہے

پانی کے لئے واہ تمہیں ہاتھ سے کھوؤں میں قبلۂ کونین کی دولت کو ڈبوؤں
شب ہوئے تو پھر کسکی بھلا چھاتی پہ سوؤں اب روتی ہوں پانی کیلئے پھر تمہیں روؤں
ہے ہے شہ بیکس کا رولانا نہیں اچھا
پیاس اچھی ہے پر آپ کا جانا نہیں اچھا

عباس نے فرمایا کہ تم مشک تو لاؤ بولیں گے نہ پھر ہم یہ نہ کہنا کہ نہ جاؤ

قربان میں کیوں پیاس کی تکلیف اُٹھاؤ تم بھی پیو اصغر کو بھی چلّو سے پلاؤ
نیلے ہیں یہ لب رنگ نہ کیوں زرد ہو میرا
تم پیاس بجھاؤ تو جگر سرد ہو میرا

کہنے لگی منہ دیکھ کے بابا کا وہ دلگیر کیا کہتے ہیں سنتے ہو چچا جان کی تقریر
حضرت نے کہا یہ نہ رکیں گے کسی تدبیر اب مشک بھی لا دو انھیں حسبِ خواہش تقدیر
روکو نہ کہ درپیش عجب راہ ہے ان کو
سقائی کی خدمت کی بڑی چاہ ہے انکو

یہ سنکے سکینہ نے جو دی مشک بصد غم آہستہ کہا شہ نے بہن سچ کہ موئے ہم
سنبھلا جو نہ دل بیٹھ گئے قبلۂ عالم عباس چلے گھر سے بپا ہو گیا ماتم
یوں خیمہ کے پردے سے وہ صفدر نکل آیا
گویا کہ قمر برج سے باہر نکل آیا

انیس

۲۴۔ حضرت عباس کی معرکہ آرائی

چلایا شمر تب کہ عبث ہی سوالِ آب دینگے زبانِ تیغ سے ہم آپ کو جواب

بچوں کی پیاس سی ہے جو حضرت کو اضطراب
پھر کس لئے ہی بیعت حاکم سے اجتناب
خیموں سے گھٹنیوں اگر اصغر بھی آئے گا
جز آبِ تیر، پانی کا قطرہ نہ پائے گا

یہ سن کے لی نیام سے تیغِ شرر فشاں
آواز دی زمیں نے کہ یا حافظِ زماں
شعلے نے الحذر کہا بجلی نے الاماں
دہشت سے تھرتھرا گیا مریخِ آسماں
ثابت ہوا کہ چہرۂ خورشید کٹ گیا
غل تھا کہ فوجِ شام کا دفتر اُلٹ گیا

بجلی چمک کے ہوتی تھی جب آسماں کو پار
پڑھتا تھا عرش آیۂ کرسی کو بار بار
زیرِ زمیں تو گاوِ زمیں کو نہ تھا قرار
تھرا رہا تھا شیرِ فلک وقت گیر و دار
غل تھا علی کی تیغ کا سب رنگ ڈھنگ ہے
جبریل کانپتے تھے کہ خیبر کی جنگ ہے

ڈھالوں سے شامیوں کے ادھر چھا گئی گھٹا
دریا پہ جھوم جھوم کے بس آ گئی گھٹا
ایسا بڑھا یہ ابر کہ شرما گئی گھٹا
بارانِ تیر دشت میں برسا گئی گھٹا
کشتوں کو اپنے فوجِ عدو روندنے لگی
جنگل میں برقِ قہرِ خدا کوندنے لگی

چمکی جو تیغ آمدِ قہرِ خدا ہوئی — سر پر جو آگئی تو قیامت بپا ہوئی جلد دو

سینے سے روح، جسم سے گردن جدا ہوئی — خوں میں ڈوب چکی تو نہ پھر آشنا ہوئی

باڑہ اس غضب کی، وار وہ اس زور شور کا

دشمن کو اس کا گھاٹ کنارا تھا گور کا

گرتی تھی کوند کر جو وہ تیغِ شرارہ ریز — دوزخ کھلا تھا بند تھے سب کوچۂ گریز

چلنے میں تیغ تیز، فرس تیز، ہاتھ تیز — رہ رہ کے گرم ہوتا تھا ہنگامۂ ستیز

کشتہ تھے ایک ضرب میں دو ہوں کہ چار ہوں

ششدر تھی سب کہ موت سے کیونکر دوچار ہوں

کاٹی سپر تو کاسۂ سر تک پہنچ گئی — سر پر پڑی تو پیر کے بر تک پہنچ گئی

برسے مثالِ برق جگر تک پہنچ گئی — پی کر لہو جگر کا کمر تک پہنچ گئی

چڑھ کر کمر سے زین پر آئی سرنگ کے

ٹکڑے گرے نہ تھے کہ یہ نیچے تھی تنگ کے

نکلا ادھر سے جو وہ اجل کا شکار تھا — پیدل ہو یا سوار وہ دو تھا یہ چار تھا

کوسوں لہو سے دشتِ ستم لالہ زار تھا — بجلی چمک رہی تھی فرس بے قرار تھا

کیا ہو زرہ سے ضرب جب ایسی کڑی لگے
سر یوں برس رہے تھے کہ جیسے جھڑی لگے

۲ انیس

۲۵۔ شہادت حضرتِ عباس

بھائی سے لپٹ کر یہ پکارے شہِ ابرار   صدقے میں ترے اے مرے لشکر کے علمدار
مجروح جو تھی تیروں سے ہر چشم گہر بار   عباس سے آنکھوں کو نہ کھولا گیا زنہار
دکھلا کے وفادار نے کانٹوں کو زباں کے
سر رکھ دیا قدموں پہ امام دو جہاں کے

حضرت نے کہا سر تو قدم پر سے ہٹاؤ   عباس ہم آغوش میں لیویں ادھر آؤ
گو ہاتھ نہیں سر مری چھاتی سے لگاؤ   یاری جو زباں دے تو کچھ احوال سناؤ
تقریر تری شہرۂ آفاق ہے بھائی
بھائی تری آواز کا مشتاق ہے بھائی

عباس نے کی عرض کہ ہے موت گلوگیر   کہنا تھا بہت کچھ پہ نہیں طاقتِ تقریر
اب تن کی رگیں کھنچتی ہیں یا حضرتِ شبیر   امید یہ ہے رحم کرے مالکِ تقدیر

آگے مرے روئے خلفِ شاہِ نجف ہے
اس وقت تلک منہ مرا قبلہ کی طرف ہے

سب کام مرے آپ کے صدقے میں بن آئے
وہ فاطمہ آئیں شہ خیبر شکن آئے
آپ آئے حسن آئے رسولِ زمن آئے
سب مشکلیں آساں ہوئیں جب پنجتن آئے
اب روح سوئے خلد بریں جاتی ہے آقا
کچھ نیند سی خادم کو چلی آتی ہے آقا

انیس

۲۶۔ حضرت علی اکبر کی طلبِ اذنِ جنگ

(علی اکبر حضرت امام حسین علیہ السلام اور حضرت بانو سے رخصت ہو کر میدانِ جنگ کو سدھارتے ہیں)

اتنے میں کمر باندھ چکے اکبرِ جرار
سینے میں دھڑکنے لگا بانو کا دلِ زار
فرزند کا منہ تکنے لگے سید ابرار
ہمشکلِ پیمبر ہوئے رخصت کے طلبگار
ہاتھوں سے کلیجا شہ بے پر نے سنبھالا
گرنے جو لگی ماں علی اکبر نے سنبھالا

دوم فرمایا پدر صدقہ ہو اے اکبر ذیشان کیا کہتے ہو رخصت کسے کہتی ہیں مری جاں
دم کس میں ہے دے کون تمھیں رخصت میداں دنیا سے یہ شبیر کی رحلت کا ہے ساماں

ماں باپ چراغ سحری ہیں علی اکبر
ہم تم سے بھی پہلے سفری ہیں علی اکبر

تم ہوتے تو یہ ہوتا کہ لاشے کو اٹھاتے اور قبر ہماری اسی جنگل میں بناتے
ہم غسل و کفن ہاتھ سے فرزند کی پاتے اس دشت میں مرتے تو بھلا دھوپ نہ کھاتے

مرضی جو تمھاری نہیں بس باپ کا کیا ہے
کچھ غم نہیں پر خیر ہمارا بھی خدا ہے

انیس

۲۷۔ حضرت علی اکبر کی سپہ گری

یہ سن کے بڑھا جنگ کو وہ شیر نرینہ پہنچا تھا جسے زورِ علی سینہ بسینہ
شوکت وہی سب تھی وہی حملے کا قرینہ شبدیز پہ تھے آپ کہ خاتم پہ نگینہ

یوں سینہ کشادہ گئے اُس عہد شکن پر
جس طرح جھپٹتا ہے کہیں شیر ہرن پر

زن سے جو وہ تلوار گئی سن سے پھر آئی
وہ خود سے ملتی ہوئی گردن سے پھر آئی
وہ کھینچ کے سپر سے گئی جوشن سے پھر آئی
وہ صدر سے خالی گئی توسن سے پھر آئی

ہاں بعد علی کم ہوئی جنگ و جدل ایسی
غل تھا کبھی دیکھی نہیں رد و بدل ایسی

غصے میں جو سفاک نے کی رخش کو مہمیز
شہزادے کے گھوڑے کی قریب آگیا شبدیز
بس تھام لی اکبر نے عنانِ فرسِ تیز
جھجکا تھا وہ گھوڑا کہ چلی تیغ شرر ریز

ہوش اڑ گئے اس بانیٔ بیدادو ستم کے
سر کٹ کے گرا فرق پہ چالیس قدم کے

تازی کی عناں چھوڑ کے اک ہاتھ جو مارا
چاروں سم رہوار کٹے صاف قضا را
گھوڑا جو گرا دشت ستم ہل گیا سارا
بس چور ہوا پس کے فرس سے ستم آرا

دکھلا دیا صفدر نے جو ارشادِ پدر تھا
نہ پاؤں تھے گھوڑے کے نہ اسوار کا سر تھا

انیس

۲۸۔ شہادت حضرت علی اکبر

لے آئی جو بیتابی دل لاشِ پسر پر
جھکنے میں نظر پہلے پڑی زخم جگر پر

جلد دوم

اک تیر لگا قلبِ شہ جن و بشر پر سینے پہ کبھی ہاتھ کو مارا کبھی سر پر

اوپر کے دم اس شیر کو بھرتے ہوئے دیکھا
بابا نے جواں بیٹے کو مرتے ہوئے دیکھا

ہونٹوں پہ زباں منہ پہ عرق خاک پہ گیسو پتھرائی ہوئی آنکھ کٹے تیغوں سے ابرو
گردن تو کج اور حلق پہ اک تیر سہ پہلو چہرے پہ لہو گالوں پہ ڈھلکے ہوئے آنسو

یہ زیرِ لب آواز کہ آفت نہیں آئے
نزدیک اجل آگئی بابا نہیں آئے

اے دردِ جگر تھم کہ شہ بحر و بر آلیں اے جان نہ گھبرا شہ جن و بشر آلیں
اے روح توقف شہ والا ادھر آلیں اے موت ٹھہر جا پدر آلیں پدر آلیں

ارمان دلِ زارِ پسر ہوش میں نکلے
حسرت ہی کہ دم باپ کے آغوش میں نکلے

چلائے شہ دیں علی اکبر پدر آیا اٹھو مرے پیارے مرے دلبر پدر آیا
تم ڈھونڈتے ہو اے مہ انور پدر آیا ناشاد پدر بیکس و بے پر پدر آیا

کچھ دل کی کہو بات کرو، ہوش میں آؤ
صدقے پدر، آؤ مرے آغوش میں آؤ

منہ کھولے ہو کیوں تیر کو گردن سے نکالوں گر دو نہ ہو ہاتھوں سے بازو کو سنبھالوں
گریا ہی پیارا اس کو میں کس طرح سے ٹالوں مرتے ہوئے دیکھوں جسے آغوش میں پالوں

بہہ بہہ کے لہو میں جگر آتا ہے تمہارا
سینے سے کلیجا نظر آتا ہے تمہارا

اکبر نے سنی غش میں جو یہ باپ کی زاری بیتابی شبیر پہ آنسو ہوئے جاری
رو کر کہا بابا سے کہ رخصت ہی ہماری جینے کے نہیں، زخم کلیجے پہ ہی کاری

اکبر کو سکینہ کو، برادر کو نہ دیکھا
افسوس کہ مرتے ہوئے مادر کو نہ دیکھا

یاں آئے ہیں لینے کو مرے خلد سے حیدر کس پیار سے دیتے ہیں مجھے ساغر کوثر
دادی مرے پہلو میں کھڑی پیٹتی ہیں سر اور شور ہے حوروں میں کہ ہے ہے علی اکبر

ہیں گرد مری لاش کے رو میں شہدا کی
آتی ہے صدا گریۂ محبوب خدا کی

انیس

۲۹- شہادت حضرتِ علی اصغرؓ

چھٹتے ہی حلق بچے کا چھید ا جو تیر نے
گھبرا کے غش سے کھولدیں آنکھیں صغیر نے

کیا سِن تھا تیر کھاتے ہی بچا بلک گیا
سوکھے گلے میں خون بھرا، دم اٹک گیا
تڑپا جو شہ کے ہاتھوں پہ قامت سمٹ گیا
ٹوپی گری زمین پہ، منکا ڈھلک گیا

ننھی کلائیوں میں تشنج سے بل پڑے
ہچکی جو آئی منہ سے انگوٹھے نکل پڑے

منہ آسماں سے شہ نے پھرایا کہ کیا ہوا
دیکھا کہ پار حلق سے تیرِ جفا ہوا
بچہ تڑپ رہا ہے لہو میں بھرا ہوا
اور دیکھتا ہے جیسے کہ کوئی ڈرا ہوا

آنکھیں پھرائے دیتے ہیں تیور بدلتے ہیں
آگے تو دودھ اُگلتے تھے اب خوں اُگلتے ہیں

دبیر

۳۰۔ حضرت امام حسینؑ حضرت زینبؑ سے رخصت ہوتے ہیں

منہ سینے پہ رکھے جو بلکتی تھی وہ دلگیر — ہر آہ تھی حضرت کے کلیجے کے لئے تیر
سر چھاتی سے لپٹائے ہوئے کہتے تھے شبیر — بس صبر کرو غش کہیں آجائے نہ ہمشیر
پیٹی ہو پہر بھر علی اکبر کے الم میں
کیا جان گنوا دوگی بہن بھائی کے غم میں

گر مر گئیں ہو جائیگا گھر اور بھی خالی — صدمے سے جئے گی نہ سکینہ مری بالی
ہو میرے یتیموں کی تمھیں پالنے والی — صابر جو ہیں ملتا ہے انھیں رتبۂ عالی
ایسا تو کسی کو غم تنہائی نہ ہوگا
اللہ تو سر پر ہے اگر بھائی نہ ہوگا

وہ حمد کے لایق ہے سزاوار ثنا ہے — ہے اس کو بقا اور ہر اک شے کو فنا ہے
راحت نہیں دنیا میں کہ یہ دار فنا ہے — آدم کا بدن خاک میں ملنے کو بنا ہے
ہے کون بزرگوں میں کرو دھیان اسی کو
دنیا میں نہ چھوڑے گی بہن موت کسی کو

عالم میں جو تھے فیض کے دریا وہ کہاں ہیں — جو نور خدا سے ہوئے پیدا وہ کہاں ہیں

تم سب سے جو تھے افضل و اعلیٰ وہ کہاں ہیں پیدا ہوئی جنکے لئے دنیا وہ کہاں ہیں

جو زندہ ہے وہ موت کی تکلیف سہے گا

جب احمدؐ مرسل نہ رہے کون رہیگا

ہے کل کی ابھی بات کہ آباد تھا یہ گھر جس در پہ گدا آن کے ہوتے تھے تونگر

وہ مجمع احباب وہ دربار پیمبرؐ وہ فاطمہ کا جاہ و حشم شوکت حیدر

بے اذن چلا آئے یہ مقدور تھا کس میں

یا آج وہی گھر ہے کہ خاک اُڑتی ہے اس میں

اکدن تھا کہ عشرت کے مہیا تھے سب اسباب یا ایک یہ دن ہے کہ خوشی ہو گئی نایاب

وہ وقت وہ آرام وہ ہمدرد وہ احباب معلوم یہ ہوتا ہے کہ دیکھا تھا کبھی خواب

آج اوروں کے ہم مرنے پہ فریاد کرینگے

کل اور اسی طرح ہمیں یاد کرینگے

کیا آگے بہن کے کوئی مرتا نہیں بھائی برسوں جو رہے وصل تو اکدن ہے جدائی

لُٹ جاتی ہے اک آن میں برسوں کی کمائی جاتی نہیں بے جان لئے جب اجل آئی

ملتا نہیں پھر خلق سے جو جاتا ہے زینب

رونے سے مسافر کہیں پھر آتا ہے زینب

مر کر بھی نہ بھولوں گا میں احسان تمہارے
بیٹوں کو بھلا کون بہن بھائی پہ وارے
پیارا نہ کیا ان کو جو تھے جان سے پیارے
بس ماں کی محبت کے یہ انداز ہیں سارے
فاقے میں ہمیں برچھیاں کھانے کی رضا دو
بس اب یہی الفت ہے کہ جانے کی رضا دو

انیس

۳۱۔ حضرت امام حسین کی روانگی

لو جاتے ہیں ہمشیر خدا حافظ و ناصر
اب جسم ہے اور تیر، خدا حافظ و ناصر
اے بانوے دلگیر خدا حافظ و ناصر
ہی رخصتِ شبیر خدا حافظ و ناصر
کیوں دور کھڑی روتی ہو یاں آؤ سکینہ
پھر باپ کی چھاتی سے لپٹ جاؤ سکینہ

اے عابد بیمار و حزیں گھر سے خبردار
اے جانِ پدر آلِ پیمبر سے خبردار
ماں رانڈ ہوا اب رانڈ کی چادر سے خبردار
مارے نہ طمانچہ کوئی خواہر سے خبردار
مشکل جو ہو امت پہ تو حل کیجیو بیٹا
تحریر پہ بابا کی عمل کیجیو بیٹا

یہ کہہ کے کچھ آہستہ کہا گوش پسر میں ۔ بیمار کے رونے سے قیامت ہوئی گھر میں
اندھیر زمانہ ہوا بانو کی نظر میں ۔ غش ہوگئی زینب یہ اُٹھا درد جگر میں
ٹھیرا نہ گیا واں شہ والا نکل آئے
تنہا گئے روتے ہوئے تنہا نکل آئے

انیس

۳۲۔ حضرت امام حسینؑ کی آخری مناجات

کچھ بڑھ کے پھرے جانبِ قبلہ شہ بے پر ۔ کج کی طرفِ دوشِ یمیں گردنِ انور
تھرائے ہوئے ہاتھوں پہ عمّامے کو رکھکر ۔ کی حق سے مناجات کہ اے خالقِ اکبر
حرمت ترے محبوب کی دنیا میں بڑی ہے
کر رحم کہ آل اُنکی تباہی میں پڑی ہے

یارب یہ ہی سادات کا گھر تیرے حوالے ۔ رانڈیں ہیں کئی خستہ جگر تیرے حوالے
بیکس کا ہی بیمار پسر تیرے حوالے ۔ سب ہیں مرے دریا کے گہر تیرے حوالے
عالم ہے کہ غربت میں گرفتار بلا ہوں
میں تیری حمایت میں انھیں چھوڑ چلا ہوں

انیس

۳۳- یادِ رفتگاں

فرماتے تھے اعدا کو ترائی سے بھگا کر
کیوں چھوڑ دیا گھاٹ کو روکو ہمیں آکر
دعوت یونہیں کرتے ہیں مسافر کو بلا کر
ہم چاہیں تو پانی بھی پئیں نہر میں جا کر
پر صبر کے دریا ہیں ہمیں پیاس نہیں ہے
اب زہر یہ پانی ہے کہ عباس نہیں ہے

بھولی نہیں اکبر کی ہمیں تشنہ دہانی
وہ چاند سا رخ وہ قد و قامت وہ جوانی
وہ سوکھے ہوئے ہونٹ وہ اعجاز بیانی
دکھلا کے زباں مانگتے تھے نزع میں پانی
کس سے کہیں جو خونِ جگر ہم نے پیا ہے
بعد ایسے پسر کے بھی کہیں باپ جیا ہے

یہ کہہ کے سکینہ کے بہشتی کو پکارے
الفت ہمیں لے آئی ہی پھر پاس تمہارے
لڑتے ہوئے آپہنچے ہیں دریا کے کنارے
عباس غش آتا ہی ہمیں پیاس کے مارے
ان سوکھے ہوئے ہونٹوں سے ہونٹوں کو ملا دو
کچھ مشک میں پانی ہو تو بھائی کو پلا دو

لیٹے ہوئے ہو ریت میں کیوں منہ کو چھپائے
اٹھو کہ سکینہ کو یہاں ہم نہیں لائے

غافل ہو برادر تمہیں کس طرح جگائے
ہی عصر کا وقت اے اسداللہ کے جائے
خوش ہونگا میں آگے جو علم لے کے بڑھوگے
کیا بھائی کے پیچھے نہ نماز آج پڑھوگے

انیس

۳۴-آخری عبادت اور شہادت

جھک جاتے تھے ہرنے پہ جو غش میں شہ ابرار
منہ پھیر کے آقا کی طرف تکتا تھا رہوار
چمکار کے فرماتے تھے شبیر دل افگار
اب خاتمۂ جنگ ہی اے اسپ وفادار
اُترینگے بس اب تجھ سے چھٹا ساتھ ہمارا
نہ پاؤں ترے چلتے ہیں نہ ہاتھ ہمارا
ہی عصر کا ہنگام مناسب ہے اُترنا
اس خاک پہ ہی شکر کا سجدہ ہمیں کرنا
گو مرحلۂ صعب ہی دنیا سے گزرنا
سجدے میں کٹے سر کہ سعادت ہی یہ مرنا
طاعت میں خدا کی نہیں صرفہ سر و تن کا
ذی حق ہمیں اسکے ہیں کہ ورثا ہے پدر کا
اترا یہ سخن کہہ کے وہ کونین کا والی
خاتم سے نگیں گر گیا زیں ہو گیا خالی

اس دکھ میں نہ یاور تھے نہ مولیٰ کے موالی   خود ٹیک کے تلوار کو سنبھلے شہ عالی
کپڑے تن پر نور کے سب خوں میں بھرے تھے
اک ہاتھ کو رہوار کی گردن پہ دھرے تھے

منہ یال پہ رکھ رکھ کے یہ فرماتے تھے ہر بار   جا ڈیوڑھی پہ اے صاحب معراج کی رہوار
اب ذبح کرینگے ہمیں اک دم میں ستمگار   زینب سے یہ کہنا کہ سکینہ سے خبردار
رہنا وہیں جب تک مرا تن سر سے جدا ہو
لے جائیو بانو کو جدھر حکم خدا ہو

بیٹھے جو سوئے قبلہ دو زانو شہ بے پر   جھکتے تھے کبھی غش میں اُٹھاتے تھے کبھی سر
تھے ذکر خدا میں جو لگا تیر دہن پر   یاقوت بنے ڈوب کے خوں میں لب اطہر
بہہ آیا لہو تا بہ زنخدانِ مبارک
ٹھنڈے ہوئے دو گوہر دندان مبارک

تھرا کے جھکے سجدۂ حق میں شہ ابرار   شور دہل فتح ہوا فوج میں اک بار
خوش ہو کے پکارا عمرِ سعد جفاکار   اے خولی و شیث و بن ذی الجوشن جرار
آخر ہے بس اب کام امامِ ازلی کا
سر کاٹ لو سب مل کے حسینؑ ابن علی کا

ملبوسِ بدن لے گئے سب لوٹنے والے سینے سے مگر تیر کسی نے نہ نکالے
پہلوئے مبارک میں گڑے رہ گئے بھالے کیوں چرخ یہ حال اُس کا جسے فاطمہؑ پالے
شبیر کا سر نیزۂ خولی کی انی پر
تف دہر پہ اور خاک ہو دنیائے دنی پر

انیس

۳۵- نیرنگی عالم

دنیا بھی عجب گھر ہے کہ راحت نہیں جسمیں وہ گُل ہے یہ گل بوئے محبت نہیں جسمیں
وہ دوست ہے یہ دوست مروّت نہیں جسمیں وہ شہد ہے یہ شہد حلاوت نہیں جس میں
بے درد و الم شام غریباں نہیں گزری
دنیا میں کسی کی کبھی یکساں نہیں گزری

جو خلق میں تھے صاحب تخت و علم و تاج نوبت یہ ہوئی ہے کہ نشاں انکے نہیں آج
شاہانِ جہاں فخر سے دیتے تھے جنھیں باج وہ قبر میں ہیں سورۂ الحمد کے محتاج
سکّہ ہے نہ وہ اور نہ وہ تاج و نگیں ہیں
دولت تو خزانے میں ہے خود زیر زمیں ہیں

شادی ہو کہ اندوہ ہو آرام ہو یا جور دنیا میں گزر جاتی ہے انسان کی ہر طور
ماتم کی کبھی فصل ہے عشرت کا کبھی دور ہے شادی و ماتم کا مرقع جو کرو غور
کس باغ میں آسیب خزاں آ نہیں جاتا
گل کونسا کھلتا ہے جو مرجھا نہیں جاتا

ہے عالمِ فانی کی عجب صبح عجب شام گہہ غم کبھی شادی کبھی ایذا کبھی آرام
نازوں سے پلا فاطمہ زہرا کا گل اندام
واحسرت و دردا کہ وہ آغاز یہ انجام

انیس

۳۶- عبرت

اب خواب سے چونکو وقت بیداری ہے لے زاد سفر کوچ کی تیاری ہے
مر مر کے پہنچتے ہیں مسافر واں تک یہ قبر کی منزل بھی عجب بھاری ہے

اک روز جہان سے جان کھونا ہو گا گھر چھوڑ کے زیرِ خاک سونا ہو گا
بالش سے ہے مرد کا رنہ بستر سے غرض اپنا کسی تکیہ میں بچھونا ہو گا

آغوش لحد میں جبکہ سونا ہو گا
جز خاک کے تکیہ نہ بچھونا ہو گا
تنہائی میں آہ کون ہووے گا انیس
ہم ہوئینگے اور قبر کا کونا ہو گا

غافل تجھے کیوں خواہش دنیائے دنی ہے
پیوند زمیں ہر کوئی درویش و غنی ہے
جو قاقم و سنجاب پہنتے تھے ہمیشہ
سوتے ہیں تہ خاک گلے میں کفنی ہے

کیا کیا دنیا سے صاحبِ مال گئے
دولت نہ گئی ساتھ نہ اطفال گئے
پہنچا کے لحد تلک پھر آئے سب لوگ
ہمراہ اگر گئے تو اعمال گئے

گر لاکھ برس جئے تو پھر مرنا ہے
پیمانۂ عمر اک دن بھرنا ہے
ہاں توشۂ آخرت مہیّا کر لے
غافل تجھے دنیا سے سفر کرنا ہے

انیس

۳۷۔ پپیہے

وہی تان پھر سنا دے مرے خوشنوا پپیہے
مرے دلربا پپیہے مرے خوش ادا پپیہے

اسی دردمند دل سے اسی صوتِ مضمحل ہے — ترے عشق کے تصدق وہی راگ گا پپیہے

مری نیند اُچھٹ گئی ہی تری صوتِ جاں فزا سے — دل مضطرب ہے بیکل اسے تو سلا پپیہے

یہ گھٹائیں کالی کالی یہ ہوا کے سرد جھونکے — کوئی تان اونچے سر میں وہی پھر لگا پپیہے

تجھے روئے گل دکھادوں تجھے سرو سے ملادوں — تری بیکلی کا آخر ہے علاج کیا پپیہے

یہ غضب کی آہ وزاری یہ بلا کی بے قراری
تجھے کس کا ہے تصوّر ہمیں کچھ بتا پپیہے

ساواں

۳۸- پی

پپیہے او پپیہے، تو یہ کیوں آنسو بہاتا ہے — زباں پر تیری پی پی کسلیئے رہ رہ کر آتا ہی

صدائے دردِ غم کیوں دردمندونکو سناتا ہی — جو خود ہی جل رہا ہو اور کیوں اسکو جلاتا ہی

کاٹوں تو ری چونچ پپیہے ڈالوں وا پہ نون
میں پیو کی، اور پیو مورا، تو پی کہے سو کون

شمیم زلفِ عنبر بیز پھیلاتا ہے کیوں ظالم — تجھے افشائے رازِ دوستاں بھاتا ہی کیوں ظالم

مرے آگے ترانہ عشق کا گاتا ہی کیوں ظالم — کسی کا نام لے لے کر یہ چلّاتا ہی کیوں ظالم

کاٹوں توری چونچ پپیہے ڈاروں وا پہ نون
میں پیو کی، اور پیو مورا، تو پی کہے سو کون

غمِ آرام جاں میں اور بے آرام کرتا ہے — رموزِ خاصِ عشق و عاشقی کیوں عام کرتا ہے
سرِ بازار نامِ یار کیوں بدنام کرتا ہے — کسی کے راز کیوں کمبخت طشت از بام کرتا ہے

کاٹوں توری چونچ پپیہے ڈاروں وا پہ نون
میں پیو کی، اور پیو مورا، تو پی کہے سو کون

اندھیری رات میں سوتوں کو چونکا دے نہ چلا کر — بہ رنگِ بوے گل نادان جامے سے نہ ہو باہر
اری ننھی سی چڑیا جان ننھی سی زبان گنج بھر — چڑھا دے گا کوئی منصور کی مانند سولی پر

کاٹوں توری چونچ پپیہے ڈاروں وا پہ نون
میں پیو کی، اور پیو مورا، تو پی کہے سو کون

امجد

۳۹۔ بلبل

دیدِ گل کے تجھے پڑ جائینگے لالے بلبل — پڑ گئی جب کسی صیاد کے پالے بلبل
کان کھولے ہوئے گل گوش بر آواز ہے آج — دردِ دل جو تجھے کہنا ہو سنا لے بلبل

پھر وہی کنجِ قفس ہے وہی صیاد کا گھر — چار دن اور ہوا باغ کی کھالے بلبل
دام میں پھنس کے نکلنا ترا ناممکن ہے — تا بہ مقدور پر و بال ہلالے بلبل
پہلے گلشن کی ہوا دیکھ لے رہ کر چندے — آشیاں کی تو ابھی طرح نہ ڈالے بلبل
مانگ خالق سے دعا بعد بقائے گل کی — پہلے صیاد سے خیر اپنی منالے بلبل
دست انداز نہ ہو گل پہ ابھی اے گلچیں — صبر کر صبر ذرا باغ سے جالے بلبل
کسی غنچہ کو چھوا اور نہ کوئی گل توڑا — گھورتی کیوں ہے مجھے آنکھ نکالے بلبل
نہ رہی بوئے وفا ایک بھی گل میں باقی — اب تو اس باغ سے اللہ اُٹھالے بلبل
نہ رہے گل ہی گلستاں میں جو تھے رتبہ شناس — اڑ گئے سب ترے پہچاننے والے بلبل
کس طرف جائیگی برداشتہ خاطر ہو کر — باغ کیوں کرتی ہے گلچیں کے حوالے بلبل

دم بدم سینۂ سوزاں سے نہ کر نالۂ گرم
پڑ نہ جائیں تری منقار میں چھالے بلبل

رندؔ

بلبل

وہ کیا خوب پر و بال نکالے بلبل — اُڑتے ہی پڑ گئی صیّاد کے پالے بلبل

تو گرفتار ہے صیاد کا سمجھے تو مزاج — تھوڑی تھوڑی ابھی آواز نکالے بلبل
خوش بیانی ہی تری سارے چمن میں مشہور — کچھ تو صیّاد کو باتوں میں لگالے بلبل
دھیان صیاد کا گلچیں کا خطر خوفِ خزاں — ہو بلا ایک تو سر سے اُسے ٹالے بلبل

پھول گلشن میں نہ آئے تھے کہ صیّاد آیا
دل کے ارمان کہو خاک نکالے بلبل

امیر

۴۱ - وداعِ بلبل

کہو بلبل کو لیجائے چمن سے آشیاں اپنا — پڑھے گر صد ہزار افسوں نہوگا باغباں اپنا
ہوئی جب باغ سے رخصت کہا رو رو کہ قسمت — لکھا تھا یوں کہ فصل گل میں چھوڑوں آشیاں اپنا
یہ حسرت رہ گئی کس کس مزے سے زندگی کرتی — اگر ہوتا چمن اپنا گل اپنا باغباں اپنا

نہ تو اے گل کیا اپنا نہ بلبل باغباں اپنا
چمن میں کس بھروسے پر بنایا آشیاں اپنا

علی گوہر

۴۲۔ بلبلِ اسیر

چھاتی قفس میں داغ سے ہو کیوں نہ رشکِ باغ
جوشِ بہار تھا کہ ہم آئے اسیر ہو

مجھ کو نہ دے ہم صفیر مژدۂ فصلِ بہار — آہ کہ صیاد کے دل پہ نہیں اختیار
یاد ہیں وہ دن کہ جب باغ میں تھا آشیاں — آہ وہ طرفِ چمن اور وہ سرِ شاخسار
نور کا تڑکا ہوا، اور یہ عالم ہوا — آئی نسیمِ سحر باغ میں مستانہ وار
یوں دہنِ غنچہ سے، قطرۂ شبنم گرے — دودا اُگلنے لگے جیسے کوئی شیرخوار
آئی کسی شاخ سے، ایسی سُریلی صدا — جیسے بجائے کہیں، بین کوئی بین کار
بھیرویں اُڑنے لگی، باغ میں چاروں طرف — تانے اڑانے لگی اونچے سُروں میں ہزار
مرغِ چمن اڑ کے سب نغمہ سرا جس طرح — کوک دے ارگن کوئی اور الاپے بہار
تجھ سے کہاں تک کہوں، قصۂ دور و دراز — ہم اسی حیرت میں تھے اتنے میں اک دامدار
لے کے کوئی دام سخت، آگیا گلزار میں — ہم جو ہیں اُڑنے لگے ہو گئے اُسکے شکار
آہ وہ آزادیاں راس نہ آئیں ہمیں — عہدِ مسرت مگر ہم سے نہ تھا استوار
اسکو ہوئیں مدتیں ہم ہیں اسیرِ قفس — اب ہیں نہ وہ چہچہے اور نہ باغ و بہار

سامنے ہے یہ قفس اور یہی تیلیاں — ہے یہی آب و ہوا اور یہی لیل و نہار
قید میں گزری ہے عمر چھوٹنے سے یاس ہے — مرگ کی ہے آرزو موت کا ہے انتظار
آہ کہ طبعِ چمن ہم سے موافق نہ تھی — آہ مزاجِ بہار ہم سے نہ تھا سازوار

حالتِ مرغِ اسیر تجھ سے کہوں کیا جگر
دیدۂ عبرت سے ہوں اشک رواں بار بار

مرزا

۴۳۔ فغانِ بلبل

جہاں گیا میں گیا دام لے کے واں صیّاد — پھرا تلاش میں میری کہاں کہاں صیّاد
دکھایا کنجِ قفس مجھ کو آب و دانہ نے — وگرنہ دام کہاں میں کہاں کہاں صیّاد
اُجاڑا موسمِ گل ہی میں آشیاں میرا — الٰہی ٹوٹ پڑے تجھ پہ آسماں صیّاد
چمن میں رکھا نہ بلبل کا نام تک باقی — خدا کرے یونہیں ہو جائے بے نشاں صیّاد
قفس کو شام سے لٹکا کے فرشِ خواب کے پاس — سنا کیا مری تا صبح داستاں صیّاد
کرے گا یاد مرے زمزموں کو بعد مرے — ہوں چند روز ترے گھر میں میہماں صیّاد
دکھائیگا نہ اگر سیرِ بوستاں صیّاد — پھڑک پھڑک کے قفس ہی میں دونگا جاں صیّاد

رہے نہ قابلِ پرواز بال و پر میرے　　قفس سے اڑ کے میں اب جاؤنگا کہاں صیّاد　جلد دوم
پروں کو کھول دے ظالم جو بند کرتا ہے　　قفس کو لے کے میں اُڑ جاؤں گا کہاں صیّاد
میں جھانکتا نہیں چاک قفس سے بھی گل کو　　نہ ہوئے تا مری جانب سے بدگماں صیّاد
ہزار مرغ خوش الحاں چہکتے ہیں ہر سو　　بہ از چمن ہوا ابتو ترا مکاں صیّاد

ستم زیادہ نہ کر حکم دے رہائی کا
پکارتے ہیں گرفتار الاماں صیّاد

رند

۴۴۔ بلبل و صیّاد

جسے کہ یاد ہوا اپنا آشیاں صیّاد　　بھلا وہ خاک کہے حال بوستاں صیّاد
عبث عبث تو نہ ہو مجھ سے بدگماں صیّاد　　کھلی ہے کنج قفس میں مری زباں صیّاد

میں ماجرائے چمن کیا کروں بیاں صیّاد

خراب تھا مرے ہمراہ سایہ ساں صیّاد　　چمن میں تھا کبھی بن میں رواں دواں صیّاد
غرضکہ ساتھ ہی پہنچا جہاں تہاں صیّاد　　جہاں گیا میں گیا دام لے کے واں صیّاد

پھرا تلاش میں میری کہاں کہاں صیّاد

کچھ اور مجھ کو شکایت نہیں یہ ہے یہ گلا
بہار کیا کہ خزاں میں چھوا نہ اک تنکا
عبث یہ او ستم ایجاد کیوں غضب توڑا
اُجاڑا موسم گُل ہی میں آشیاں میرا
الٰہی ٹوٹ پڑے تجھ پر آسماں صیّاد

بیان کر نہیں سکتا جو میری حالت ہی
حواس باختہ ہوں مجھ پر اک مصیبت ہی
ابھی ہوں تازہ گرفتار زور وحشت ہی
عجیب قصّہ ہی دلچسپ اک حکایت ہی
سناؤں گا گل و بلبل کی داستاں صیّاد

کلام کرتا ہی وہ دل کو جو خوش آتا ہے
حکایت گل و بلبل مجھے سناتا ہے
ہر ایک بات میں سو سو طرح لُبھاتا ہے
اُداس دیکھ کے مجھ کو چمن دکھاتا ہے
کئی برس میں ہوا ہی مزاج داں صیّاد

خدا گواہ ہے تعریف ہو نہیں سکتی
زیادہ گھر سے ہی راحت مجھی قفس میں بھی
کب اسکی ذات سے اتنی مجھے توقع تھی
عزیز رکھتا ہے کرتا ہے خاطریں میری
ملا ہے خوبیِ قسمت سے قدرداں صیّاد

رند

۴۵۔ بلبل کی فریاد

صیاد نے چھڑایا جس دن سے آشیانہ — پہلو میں دل کے بدلے غم نے کیا ٹھکانا
گلزار سے نکالا قیدِ قفس میں ڈالا — بیدرد کچھ نہ سمجھا ظالم نے کچھ نہ جانا
آزاد تھا کبھی میں دلشاد تھا کبھی میں — تھے وہ بھی دن الٰہی تھا وہ بھی اک زمانا
روتا ہوں خوں کے آنسو آتا ہے یاد جس دم — غنچوں کا مسکرانا پھولوں کا کھل کھلانا
موجِ صبا کا چلنا تھم تھم روش روش پر — شاخوں کا جھوم جانا سبزے کا لہلہانا
وہ جانفزا ہوائیں وہ دلکشا گھٹائیں — مرغانِ ہمنوا کا ساون کے گیت گانا
بارش کی وہ پھواریں برسات کی بہاریں — پتلی سی ٹہنیوں پر وہ جھولنا جھولانا
صحنِ چمن میں پھرنا وہ شب کو چاندنی میں — دل میں سرور آنا آنکھوں میں نور آنا
وہ شام کے نظارے جگنو وہ پیارے پیارے — وہ صبح کے ستارے اُن کا وہ جھلملانا

اس قیدِ بیکسی کا کب تھا خیال مجھکو
ملجائیں کاش واپس وہ ماہ و سال مجھکو

بے رحم کے ستم کی گھڑیاں اُٹھا رہا ہوں — بیداد سہ رہا ہوں دکھ درد پا رہا ہوں
مجھ بے زباں کی بولی کوئی نہیں سمجھتا — ہر چند چیخ کر میں دکھڑا سنا رہا ہوں

قسمت کو رو رہا ہوں میں اور یہ ستمگر — دلمیں سمجھ رہا ہی خوش ہو کے گا رہا ہوں
اک آگ سی لگی ہی یادِ وطن کی دل میں — رو رو کے آنسوؤں سے اسکو بجھا رہا ہوں

سب ہمصفیر میرے خوشیاں منا رہے ہیں
تن تن کے اُڑ رہے ہیں اُڑ اُڑ کے گا رہے ہیں

اے کاش جا کے بیٹھوں پھر کنجِ دلنشیں میں — گاتا پھروں ترانے گلشن کی سرزمیں میں
سوزِ نہاں بجھاؤں جوئے چمن پہ جا کر — پھر جا ملوں میں اپنے یارانِ دانہ چیں میں
یہ تیلیاں قفس کی اے کاش پھونک ڈالوں — اتنا اثر تو یا رب ہو آہِ آتشیں میں
اُجڑا ہوا نشیمن پھر جا بساؤں اپنا — اب کے جو تھا بنایا گلہائے یاسمن میں

کب ہو مجھے رہائی کب آشیاں میں پہنچوں
اپنے وطن کو جاؤں، اپنے مکاں کو پہنچوں

محروم

۴۶- ماتمِ بلبل

یہ بلبل کا غم ہے نہ مضمون خیالی
ذرا دیکھ اپنے چمن کو تو مالی — نظر آ رہا ہے یہ کچھ خالی خالی

نہ پھولوں کا ہنسنا نہ بلبل کا رونا — نہ رنگیں جمالی نہ شیریں مقالی
پڑی مردہ کنج قفس میں ہے بلبل — وہ ہر دل پیاری وہ نازونکی پالی
نشاں ضرب کے ہیں تن نازنیں پر — یہ گلچیں نے جاں اسکی کیوں بخیطالی
یقیناً جب اس نے گل تر کو توڑا — تو شیون سی اس نے اک آندھی نکالی
یہی ہاں یہی ننھی منی سی چڑیا — کہ کل جس نے یوں راہ ملک بقالی
نظر اس پہ رکھتی تھی جسکی مکاں تک — گیا ہے نہ جائے گا پیک خیالی
زمانہ میں تھا شور اس کی فغاں کا — ثنا گر تھے اس کے ادانی اعالی

طیورِ چمن مرتے تھے اسکی لے پر
غرض جانِ گلزار تھی مرنے والی

بُرے وقت میں کوئی آڑے نہ آیا — کہاں تھے یہ گل کے اہالی موالی
یہ سوسن نے گونگے کا کھایا تھا کیوں گڑ — نہ کچھ بات اسنے زباں سے نکالی
یہ کہتی کہ ظالم ذرا ڈر خدا سے — یہ بھی بات سیدھی نہ طعنہ نہ گالی
رہیں مہر برلب نہ کچھ منہ سی پھوٹیں — اب ایسی بھی کلیاں نہ تھیں ننھی بالی
نہ سمجھو کہ ہے بیخبر اس ستم سے — خداوند قدوس کی ذات عالی
ستم کا عوض لے گا اور جلد لے گا — وہ بیکس کا وارث وہ بے بس کا والی

مگر شانِ قہرِ خداوند کے ہیں کرشمے انوکھے ادائیں نرالی
شکنجہ میں کستا ہے وہ ڈھیل دیکر کہ ہے بے پنہ اسکی شانِ جلالی
بہت جلد خوں رنگ لائیگا اسکا نہ فریادِ بلبل کی جائیگی خالی
پڑینگے اسے اپنے جینے کے لالے
چھپے گی نہ گلچیں کے دامن کی لالی

ایک مسلمان خاتون ازعلیگڑھ

۴۷۔ ایک پرندے کی فریاد

آتا ہے یاد مجھ کو گزرا ہوا زمانہ وہ جھاڑیاں چمن کی وہ میرا آشیانہ
وہ ساتھ سب کے اُڑنا وہ سیرِ آسماں کی وہ باغ کی بہاریں وہ سب کا ملکے گانا
پتوں کا ٹہنیوں پرہ جھومنا خوشی میں ٹھنڈی ہوا کے پیچھے وہ تالیاں بجانا
آزادیاں کہاں وہ اب اپنے گھونسلے کی
اپنی خوشی سے جانا اپنی خوشی سے آنا
لگتی ہے چوٹ دل پر آتا ہے یاد جسدم شبنم کا صبح آکر پھولوں کا مُنہ دُھلانا
وہ پیاری پیاری صورت وہ کامنی سی مورت آباد جس کے دم سے تھا میرا آشیانا

تڑپا رہی ہے مجھکو رہ رہ کے یاد اسکی　　تقدیر میں لکھا تھا پنجرے کا آشیانا

اس قید کا الٰہی دُکھڑا کسے سناؤں

ڈر ہے یہی قفس میں، میں غم سے مر نہ جاؤں

کیا بدنصیب ہوں میں گھر کو ترس رہا ہوں　　ساتھی تو ہیں وطن میں، میں قید میں پڑا ہوں

آئی بہار کلیاں پھولوں کی ہنس رہی ہیں　　میں اس اندھیرے گھر میں قسمت کو رو رہا ہوں

باغوں میں کنبے والے خوشیاں منا رہے ہیں　　میں دل جلا اکیلا دکھ میں کراہتا ہوں

آتی نہیں صدائیں ان کی مرے قفس میں

ہوتی مری رہائی اے کاش میرے بس میں

ارمان ہے یہ جی میں اڑکر چمن کو جاؤں　　ٹہنی پہ گل کے بیٹھوں آزاد ہو کے گاؤں

بیری کی شاخ پر ہو ویسا ہی پھر بسیرا　　اس اجڑے گھونسلے کو پھر جا کے میں بساؤں

چگتا پھروں چمن میں دانے ذرا ذرا سے　　ساتھی جو ہیں پرانے اُنسے ملوں ملاؤں

پھر دن پھریں ہمارے پھر سیر ہو وطن کی

اُڑتے پھریں خوشی سے کھائیں ہوا چمن کی

جب سے چمن چھٹا ہے یہ حال ہو گیا ہے　　دل غم کو کھا رہا ہے، غم دل کو کھا رہا ہے

گانا اسے سمجھ کر خوش ہوں نہ سننے والے　　دُکھے ہوئے دلوں کی فریاد یہ صدا ہے

آزاد جس نے رہ کر دن اپنے ہوں گزارے اس کو بھلا خبر کیا یہ قید کیا بلا ہے

آزاد مجھ کو کر دے او رقید کرنے والے
میں بے زباں ہوں قیدی تو چھوڑ کر دعا لے

اقبال

۴۸ چڑیا کی زاری

اے بدنہاد لڑکے اے نابکار لڑکے یہ کیا کیا خدا کی تجھ پر ہو مار لڑکے
نازل غضب خدا کا تجھ پر اسی گھڑی ہو اور موت لیکے خنجر سر پر ترے کھڑی ہو
ظالم، خدا کرے تو بچپن میں جان کھوئے میری طرح سے تیری، ماں زار زار روئے
بے رحم کیا بگاڑا ان بے پروں نے تیرا نقصان کیا کیا تھا ان بے گھروں نے تیرا
ابتک نہ تھے اُنھوں نے سفاک پر سنبھالے میرے غریب بے پر میرے وہ بھولے بھالے
کن کن مصیبتوں سے تھا آشیاں بنایا لا لا کے تنکا تنکا تھا گھر یہاں بنایا
وہ گھر کہیں پڑا ہے بچے کہیں پڑے ہیں دور از مکان ویران بیکس مکیں پڑے ہیں
وہ میرا گھر میں آنا۔ انکا وہ چہچہانا ان کا وہ لاڈ کرنا میرا وہ صدقے جانا
کن کن دکھوں سے ہائے بچوں کو میں نے پالا پڑنا تھا او لے قسمت اس پُر جفا سے پالا

مٹی پہ ہائے ہائے بیجاں پڑے ہوئے ہیں
کس نیند میں یہ میرے ناداں پڑے ہوئے ہیں

افسوس نسل انساں تجھ میں وفا نہیں ہے — کہتے ہیں اُنس جسکو تجھ میں ذرا نہیں ہے
تیغ جفا سدا ہے تیری میاں سے باہر — جور و جفا ہیں تیرے حدّ بیاں سے باہر
ہمسائیگی میں تیرے آکر مکیں ہوئے تھے — لچھن ترے مگر ہم کچھ جانتے نہیں تھے
سختی تری ستمگر کتنی ہے بیکسوں پر — یہ جبر بے تحاشا یہ جور بے بسوں پر

غدّار بے وفائی تیری سرشت میں ہے
تیرا ہی وتیرہ دنیائے زشت میں ہے

نزدیک نسلِ انساں ہرگز کوئی نہ آئے — اپنے جگر پہ زخمِ تیغ ستم نہ کھائے
اس میل جول کا گر انجام جانتی میں — کمبخت دل کا کہنا ہرگز نہ مانتی میں
جنگل میں جا کے اپنا میں آشیاں بناتی — خطرے میں اپنی جاں کو ہرگز نہ ڈالتی میں

میں انکو لا کھلاتی جنگل سے جا کے دانے
جبتک نہیں ہوئے تھے کمسن مرے سیانے

مجھ پر ستم ہوا ہی اے جسم و جاں کے مالک — اے دادگر زمیں کی اے آسماں کی مالک
میں بے زباں ہوں کرتی فریاد تیرے آگے — کہتی ہوں اپنے غم کی روداد تیرے آگے

اب کس طرف کو جاؤں میں بے زبان چڑیا
میں غم کی ماری چڑیا، میں خستہ جان چڑیا

محروم

۴۹- دورِ بہار

پھول کھلنے سے ہوا سارا چمن رشکِ جناں
بلبلوں کا اس لئے انداز کچھ مستانہ تھا

اپنی خوبی پر تھا اتراتا ہر اک غنچہ دہاں
قمریوں کا سرو سے برتاؤ بے باکانہ تھا

جھولتے گلہائے تر زربفت کے جھولوں میں تھے
جبکہ خود گلچیں بھی ان کے حسن کا دیوانہ تھا

بے خطر پھرتا تھا ہر اک طائرِ شیریں زباں
اور یگانہ ہو گیا جو سبزۂ بیگانہ تھا

چہچہانے کی صدائیں آ رہی تھیں کان میں
اس سے بڑھ کر کیا کہوں وہ اک عجائب خانہ تھا

یک بیک جھونکا ہوائے تُند کا آیا وہاں
کچھ نہ تھا گویا کہ مدّت کا وہ اک ویرانہ تھا

آشیانِ بلبلِ بیکس جو یوں درہم ہوا
زاغ کا اور بوم کا اب خاص خلوت خانہ تھا

دیکھکر یہ حالِ دل منظورؔ یوں گویا ہوا
جو کہ دیکھا خواب تھا اور جو سُنا افسانہ تھا

منظورؔ

۵۰- کلی کی بے کلی

نسیم نے مجھے آ آ کے گدگدایا ہے
اسی سے میرے لبوں پر تبسّم آیا ہے

یہ میری بو کو نہ چھوڑیگی میں سمجھتی ہوں
مرے حجاب کو توڑیگی میں سمجھتی ہوں

بنے گی ہاتھ مرے پیرہن کو کھولے گی
کلید ہو کے یہ قفل دہن کو کھولے گی

جو میں ہنسونگی تو گلچیں مجھے نہ چھوڑے گا
وہ سلسلہ مری حبّ وطن کا توڑے گا

شجر کی شاخ نہ مجھ کو نصیب پھر ہوگی
شعاعِ مہر نہ میرے قریب پھر ہوگی

کہاں یہ رات کو تاروں کی چھاؤں میں رہنا
جگر چھدے گا بنونگی میں ہار یا گہنا

گلے پڑونگی میں جسکے وہ گلکے چھوڑیگا   مرے لباس کی رنگت بدلکے چھوڑیگا
جفائیں سہنے کو شاید جہاں میں آئی میں   ہوئی یہ چوک کہ حس اور جان لائی میں
کہے یہ کون کہ اللہ سے ڈرا و گل چیں   یہ بے زباں ہی نہ اس پرستم کرا و گلچیں
وہ کیا سُنے گا اسے کوڑیوں کا لالچ ہی
طمع ہے سخت بُری چیز شوق یہ سچ ہی

شوق قدوائی

۱۵- پھول کی فریاد

کیا خطا میری تھی ظالم تونے کیوں توڑا مجھے
کیوں نہ میری عمرہی تک شاخ میں چھوڑا مجھے

جانتا گراس ہنسی کے دردناک انجام کو
میں ہوا کے گدگدانے سے نہ ہنستا نام کو

شاخ نے آغوش میں کس لطف سے پالا مجھے
تونے مَلنے کے لئے بستر پہ لا ڈالا مجھے

میری خوشبو سے بسائیگا بچھونا رات بھر
صبح ہوگی تو مجھے تو پھینک دیگا خاک پر

پتّیاں اُڑتی پھریں گی منتشر ہو جائیں گی
رفتہ رفتہ خاک میں ملجائیں گی کھو جائیں گی

تو نے میری جان لی دم بھر کی زینت کیلئے
کی جفا مجھ پر فقط تھوڑی سی فرحت کے لئے

دیکھ میرے رنگ کی حالت بدل جانے پہ ہے
پتّی پتّی ہو چلی ہے آب مرجھانے پہ ہے

پیڑ کے وہ سبز پتّے رنگ میرا اُن میں لال
جس طرح کاہی دوپٹّے میں کسی گلرو کے گال

جس کی رونق تھا میں بے رونق وہ ڈالی ہو گئی
حیف ہے بچّے سے ماں کی گود خالی ہو گئی

تتلیاں بے چین ہونگی جب نہ مجھ کو پائیں گی
غم سے بھونرے روئیں گے اور بلبلیں چلائیں گی

دودھ شبنم نے پلایا تھا ملا وہ خاک میں
کیا خبر تھی یہ کہ ہے بے رحم گلچیں تاک میں

مہر کہتا ہے مری کرنوں کی سب محنت گئی
ماہ کو غم ہے کہ میری دی ہوئی رنگت گئی

دیدۂ حیراں ہے کیاری باغباں کے دل پہ داغ
شاخ روتی ہے کہ ہے ہے گُل ہوا میرا چراغ

میں بھی فانی تو بھی فانی سب ہیں فانی دہر میں
اِک قیامت ہے مگر مرگِ جوانی دہر میں

شوؔق کیا کہتے ہیں تو سُن لے سمجھ لے مان لے
دل کسی کا توڑنا اچھا نہیں تو جان لے

شوق قدوائیؒ

۵۲ ۔ ختم بہار

ختم کیا صبا نے رقص، گل پہ نثار ہو چکی
جوشِ نشاط ہو چکا، صوتِ ھزار ہو چکی

رنگِ بنفشہ مٹ گیا، سنبل تر نہیں رہا
صحنِ چمن میں زینتِ نقش و نگار ہو چکی

مستیِ لالہ اب کہاں، اس کا پیالہ اب کہاں
دَورِ طرب گزر گیا آمدِ یار ہو چکی

رُت وہ جو تھی بدل گئی آئی بس اور نکل گئی
تھی جو ہوا میں نکہتِ مشک تتار ہو چکی
ابتک اسی روش پہ ہے اکبر مست و بے خبر
کہدے کوئی عزیزِ من فصلِ بہار ہو چکی

اکبر

۵۳ - دورِ خزاں

باغِ دلّی میں جو اک روز ہوا میرا گزار ۔ نہ وہ گل ہی نظر آیا نہ وہ گلشن نہ بہار
نخلِ بے بار پڑے سوکھی پڑی ہیں روشیں ۔ خاک اُڑتی ہی ہر اک طرف پڑے ہیں خس و خار
مسکراتا تھا جہاں غنچہ و گل ہنستا تھا ۔ اشک شبنم کے بھی قطرے کا نہیں واں آثار
جس جگہہ جلوہ نما رہتے تھے سرو و شمشاد ۔ مشتِ پر قمری کے اس جا نظر آئے یکبار
دیکھتا کیا ہوں مگر سوکھی سی اک شاخ اوپر ۔ عندلیب ایک ہی بے بال و پر و دل افگار
بدم سرد بصد حسرت و صد سوزِ جگر ۔ دیکھکر سوئے چمن کہتی تھی با نالۂ زار

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

سودا

۴۵۔موسمِ سرما کا آخری گلاب

یہ آخری گلاب کا ہے یادگار پھول — اور شاخ پر کھلا ہوا تنہا چمن میں پھول
بیکس غریب فرقتِ احباب میں ملول — دھندلا سا اک چراغِ شجر انجمن میں پھول

ہے کوئی غمگسار نہ ہمدم کوئی قریں — بچپن کے آشنا ہیں نہ وہ خانداں کے پھول
رخصت ہوئے چمن سے رفیقانِ ہمنشیں — بکھرے پڑے ہیں خاک پہ اب گلستاں کے پھول

ننھی سی آہ کوئی کلی بھی نہیں قریب — ڈالے جو عکس پھول سے رُخ کا غریب پر
کچھ دردِ دل کا حال کہے جس سے غم نصیب — جو اُس کی آہِ سرد کو سُن کر ہو نوحہ گر

کملانے دونگا تجھکو میں تنہا نہ شاخ پر — ڈر ہے نہ کنج میں تری مٹی خراب ہو
احباب سو رہے ہیں جہاں تیرے بیخبر — جا تو بھی اُنکے ساتھ ہم آغوشِ خواب ہو

کب تک زباں پہ فرقتِ احباب کا گلا — اب تیری پتیاں میں بچھاتا ہوں خاک پر

ہیں محوِ خوابِ مرگِ جہاں تیرے آشنا تجھکو بھی ان کے ساتھ سلاتا ہوں خاک پر جلد دوم

رخصتِ سفر اُٹھا وُنگا میں بھی جہاں سی جلد احباب مجھسے جب مرے ہوجاینگے جُدا
چھوٹوں گا مر کے ہجر کے دردِ نہاں سی جلد تنہا کوئی جہاں میں جیا بھی تو کیا جیا

کیا لیکے آہ کوئی کرے عمر جاوداں سلکِ وفا میں جب نہ رہے دُرِّ آبدار
یاران رفتہ کا ہے زیارت کدہ جہاں میری بھی بیکسی کا بنے گا وہی مزار

جب اُٹھ گئے جہان سے یارانِ زندہ دل جی کر غم فراق کے صدمے سہے گا کون
کڑیاں تری اُٹھانے کو اے دردِ جاں گسل اس غم کدے میں آہ اکیلا رہے گا کون

سرور

۵۵- سیلِ زمانہ

مگر اوسیلِ حادثہ خدارا صبر کر ذرا
یہ دیکھ سامنے ہی گیا جزیرہ ایک خوش نما

ہری بھری یہ ڈالیاں لالہ وگل کی لالیاں
یہ نہریں اور نالیاں یہ لطفِ زندگی ہیں کیا
وہ دیکھ چند مہ جبیں حسین اور نازنین
لئے ستار اور بین بلا رہے ہیں مجھ کو آ
زمیں یہ دیکھ لینے دے یہ گانے سن تو لینے دے
ذرا سا دم تو لینے دے
مگر سُنے تری بلا
یہ سامنے ہیں جو عیاں مٹے ہوؤں کے ہیں نشاں
یہ دارا یہ نوشیرواں ہیں ایسے یہ سب فنا
وہ رومیوں کی عزو شاں وہ جام جسم کی داستاں
حجازیوں کے وہ نشاں وہ ہند و چیں کی خوبیاں
وہ پہلوانِ نامور وہ خسروانِ تاجور
وہ اہلِ علم با ہنر وہ دینِ حق کے راہبر
گئے یہ سب کے سب گزر
مگر رہی تجھے بقا

بہائے جا اُڑائے جا ڈبائے جا مٹائے جا
قسم ہے تجھکو اپنی ہی یہی روش نبھائے جا

ناشاد

۵۶ مثالِ زندگی

تارا فلک سے جیسے گرے کوئی ٹوٹ کر
اور گرتے ہی نظر سے ہو غائب زمین پر

یا جیسے گرم سرعتِ پرواز ہو عقاب
یا موسم بہار کا اُٹھتا ہوا شباب

یا جیسے گل پہ صبح کو شبنم ہو قطرہ ریز
یا جیسے بادِ تند ہو طوفاں میں موج خیز

یا جیسے سطح آب پہ اُبھرے کوئی حباب
یونہی بشر ہے دہر میں تصویرِ انقلاب

آیا ادھر نسیم کا جھونکا ادھر نہ تھا
پانی میں بلبلا ادھر اُبھرا اُدھر نہ تھا

شبنم اڑی نظر جو پڑی آفتاب کی
پرواز تھی نہ چشم زدن میں عقاب کی

آئی خزاں تو موسمِ گل کا نشاں نہ تھا
تارا گرا تو گر کے تجلّی فشاں نہ تھا

آئی قضا نمود وجودِ بشر نہ تھی
تھی اِک طلسمِ ہستی بود بشر نہ تھی

شاد بجواڑیہ

۵۷۔ ہم چلے

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اس عہد کو اب وفا کر چلے

شفا اپنی تقدیر ہی میں نہ تھی
کہ مقدور تک تو دوا کر چلے

وہ کیا چیز ہے آج جس کے لئے
ہر اک چیز سے دل اُٹھا کر چلے

کوئی نا امید انہ کرتے نگاہ
سو تم ہم سے منہ بھی چھپا کر چلے

دکھائی دیئے یوں کہ بے خود کیا
ہمیں آپ سے بھی جدا کر چلے

جھڑے پھول جس رنگ گلبن سے یوں چمن میں جہاں کے ہم آکر چلے جلد دوم
نہ دیکھا غمِ دوستاں شکر ہے ہمیں داغ اپنا دکھا کر چلے
کہیں کیا جو پوچھے کوئی ہم سے میرؔ
جہاں میں تم آئے تھے کیا کر چلے

میر

۵۸۔ میرے بعد

منہ پہ رکھ دامنِ گل روئینگے مرغانِ چمن باغ میں خاک اُڑائیگی صبا میرے بعد
جیتے جی قدر بشر کی نہیں ہوتی پیارے یاد آئیگی تجھے میری وفا میرے بعد
جاکے کہدیوے کوئی خاںؔ کی زبانی اتنی
اب نہیں آتے ہو پھر آؤگے کیا میرے بعد

خاں

۵۹۔ میرے بعد

میری وحشت کا جو کچھ حال سُنا میرے بعد ہوگیا جوشِ جنوں حد سے سوا میرے بعد
سونا جنگل جو نظر اُس کو پڑا میرے بعد آکے سجّادہ نشیں قیس ہوا میرے بعد

جلد دوم

نہ رہی دشت میں خالی مری جا میرے بعد

باغِ عالم میں وہ بلبل ہوں کہ ہوں جانِ چمن
میں نہونگا تو نہ ہوگا کوئی خواہانِ چمن
پھاڑ ڈالینگے گریباں کو جوانانِ چمن
منہ پہ رکھ دامن گل روئینگے مرغانِ چمن
ہر روش خاک اُڑائیگی صبا میرے بعد

میں ہی دیوانہ اکیلا نہیں صحرا میں ہوں
بعد میرے ابھی ہوئینگے بہت سی مجنوں
کتنے تلوؤں کا ابھی تجھکو بہانا ہے خوں
تیز رکھنا سرِ ہر خار کو اے دشتِ جنوں
شاید آجائے کوئی آبلہ پا میرے بعد

سنسناہٹ سی اک اٹھتی ہے بدن میں ہر صبح
جان آجاتی ہے گویا مرے تن میں ہر صبح
آہ بھر کے یہی کہتا ہوں کفن میں ہر صبح
وہ ہواخواہ چمن ہوں کہ چمن میں ہر صبح
پہلے میں جاتا تھا اور بادِ صبا میرے بعد

مرگیا جبکہ امانت تو پھری کچھ تقدیر
غم ہوا اس کو بہت ہوگئی حالت تغیر
جیتے جی تو نہ خبر لی نہ ذرا کی تدبیر
بعد مرنے کے مری قبر پر آیا وہ میر
یاد آئی مرے عیسیٰ کو دوا میرے بعد

امانت

۶۰- دمِ واپسیں

آہ کیسا ہی وقت درد انگیز | کیسا نظارہ ہی یہ رقت خیز
اُف ہے کیسا یہ دلخراش سماں | عالمِ نزع میں ہے ایک جوان
اک طرف دوست آشنا ہیں کھڑے | اک طرف غم میں اقربا ہیں کھڑے
اک عجب خامشی کا عالم ہی | جس کو دیکھو وہ چشم پرنم ہے
کوئی فکر دوا میں ہی مصروف | کوئی دل سے دعا میں ہی مصروف

سرنگوں اک طرف طبیب کھڑے
سب ہیں بیمار کے قریب کھڑے

آہ اب اس مریض کی حالت | ہو گئی اور بھی ردی حالت
رُخ کی رنگت بھی اب بدلنے لگی | نبض بھی اب تو سست چلنے لگی
اور حالت بگڑ گئی دیکھو | سانس بھی اب اُکھڑ گئی دیکھو
کھلتی ہی اب زبان بھی وقت سے | دیکھو آنکھیں بھی لگ گئیں چھت سے
ایک بچّی بھی ہے قریب کھڑی | متحیّر وہ بد نصیب کھڑی
دیکھ کر سب کے منہ پہ رنج و ملال | کچھ نہ سمجھی کہ کیا ہی باپ کا حال

دیکھا جب سب کو چپ کھڑے ہیں اُداس
دوڑی اندر گئی وہ ماں کے پاس

غمزدہ ماں بھی سر جھکائے ہوئے — اشک آنکھوں میں ڈبڈبائے ہوئے
کیسی حالت بنائے بیٹھی ہے — لَو خدا سے لگائے بیٹھی ہے
آہ معصوم بچی نے جاکر — کر دیا ماں کا اور ٹکڑے جگر
گود میں جا کے پہلے بیٹھ گئی — پھر چمٹ کر گلے سے یہ بولی
آپ چپ چاپ کیوں ہیں بیٹھی یہاں — کس لئے رو رہی ہو اماں جاں
ابّا کمرے میں چپ پڑے ہیں کیوں — لوگ گھیرے ہوئے کھڑے ہیں کیوں
اور بھی لوگ آتے جاتے ہیں — میرے ابّا کو کیوں ستاتے ہیں
چلکے کمرے میں سب کو منع کرو — نیند آتی ہے شاید ابّا کو
اُس کی اس بھولی بھولی باتوں نے — ق — دل ہلا دینے والی باتوں نے
کیا کیا ہائے ماں کے دل پہ اثر — کر دیا اور ٹکڑے ٹکڑے جگر
دل میں سمجھی کہ اب ہی حالت غیر — چیخ اُٹھی کہ ہو الٰہی خیر

حال اب کیا کروں رقم آ گے
ابتو چلتا نہیں قلم آ گے

نجم

۶۱- پیامِ مرگ

جس پہ دنیا کی دوا اور دعا صرف ہوئی اس کی صحبت کا نہ پہلو کسی عنواں نکلا
سو رِتقدیر سے تدبیر بگڑتی ہی گئی جس کو کہتے تھے مرض موت کا ساماں نکلا
تپ وہ تپ خلق میں پیدا نہیں جس تپ کی دوا درد وہ درد نہ جس درد کا درماں نکلا
دل شکن حوصلہ فرسا تھا وہ ہنگام کہ جب دیکھکر نبض مسیحا بھی پریشاں نکلا
بے بسی چارہ گروں کی تھی عجب درد فزا
آس سے یاس ہوئی یاس سے حرماں نکلا
بسترِ خاکِ لحد پر تو ملی چین کی نیند تجھ پہ قربان کہو اب تو یہ ارماں نکلا
خوابِ راحت سے اٹھو آؤ کوئی بات کرو کہو کیا ماحصلِ ہستیٔ امکاں نکلا
راز کچھ عالم بالا کے بھی معلوم ہوے کچھ پتہ ہستیٔ مابعد کا اے جاں نکلا
دیکھو سو مرتبہ تاراجِ خزاں ہو ہو کر پھول پھر نکلے ہیں پھر سبزۂ بستاں نکلا
تم کہاں جاکے چھپے ہو کہ نکلتے ہی نہیں
چھپ کے سو مرتبہ پھر مہرِ درخشاں نکلا

اعجاز

۶۲- انجامِ غم

دن رات کی یہ بے چینی ہے یہ آٹھ پہر کا رونا ہے
آثار بُرے ہیں فرقت میں معلوم نہیں کیا ہونا ہے

کیوں پست ہوئی ہے ہمّتِ دل کیوں روک رہی ہے مایوسی
کوشش تو ہم اپنی سی کر لیں، ہوگا تو وہی جو ہونا ہے

دنیا کے لئے ہنگامے تھے، خلق ایک طرف آپ ایک طرف
اب شہرِ خموشاں عالمِ ہو، مٹی ہے لحد کا کونا ہے

اکبر

۶۳- جنازۂ پسر

کدھر چلے مرے لختِ جگر کو لے کے عزیز کہاں یہ دفن کی اس نوجواں کی ہی تجویز
کسی کو بھی نہیں افسوس نیک و بد کی تمیز ملانے خاک میں جاتا ہے کوئی ایسی چیز

گئی جو ہاتھ سے نعمت تو قدرِ نعمت کیا
مگر خود اس کے مٹانے میں ایسی عجلت کیا

تھمو تھمو کہ اس اُجڑے مکاں کا تھا یہ چراغ بہار پر تھا اسی نونہال سے یہ باغ
نہ ہوگا اب مجھے حاصل کبھی جہاں میں فراغ تمام عمر دل ناتواں ہے اور یہ داغ

فغان بلبلِ جاں دل کے پار ہوتی ہے
نظرؔ کے باغ سے رخصت بہار ہوتی ہے

اُسی کی ذات سے تھی بزمِ آرزو روشن یہی تھا اپنے چراغ اُمید میں روغن
اسی سے خانۂ دل میں تھا جلوۂ ایمن یہی جمال تھا اس آئینہ میں عکس فگن

اسی کے نور کی لو قلب کے چراغ میں تھی
یہی تھی روح یہی راح اس ایاغ میں تھی

ہزار ناز سے اس لختِ دل کو پالا تھا کبھی نہ دھوپ میں باہر اسے نکالا تھا
اسی سے خانۂ تاریک میں اُجالا تھا قمر تھا یہ تو نظرؔ اس قمر کا ہالا تھا

مجھے بھی دفن کرو اس کے ساتھ تربت میں
یہ کس طرح سے اکیلا رہے گا غربت میں

نظرؔ

۶۴- نوحۂ برادر

وہ برادر کہ مرا یوسفِ کنعانی تھا وہ کہ مجموعۂ ہر خوبیِ انسانی تھا

جلد دوم
وہ کہ گھر بھر کے لئے رحمتِ یزدانی تھا
قوتِ دست و دلِ شبلی نعمانی تھا
جوش اُسی کا تھا جو میرے سرِ پر شور میں تھا
بل اُسی کا یہ میرے خامۂ پُر زور میں تھا

ہم سے بیکاروں میں اک قوتِ عامل تھا وہی
پایۂ عزتِ اجداد کا حامل تھا وہی
مسندِ والدِ مرحوم کے قابل تھا وہی
یوں تو سب اور بھی اعضا ہیں مگر دل تھا وہی
اب وہ مجموعۂ اخلاق کہاں سے لاؤں
ہائے افسوس میں اسحٰق کہاں سے لاؤں

جب گیا والدِ مرحوم نے دنیا سے سفر
گھر کا گھر تھا ہدفِ ناوکِ صد گونہ خطر
بن گیا آپ اکیلا وہ ہر آفت کی سپر
تیر جو آئے، گیا آپ وہ اُن کی زد پر
خود گرفتار رہا تاکہ میں آزاد رہوں
اُس نے غم اسلئے کھائے تھے کہ میں شاد رہوں

اسکو شہرت طلبی سے کبھی کچھ کام نہ تھا
وہ گرفتارِ کمندِ ہوسِ خام نہ تھا
اس کی ہر بات میں اک لطف تھا ابرام نہ تھا
وہ کبھی مدعیِ رہبریِ عام نہ تھا
اُس کو مطلوب کبھی گرمیِ بازار نہ تھی
اس کی جو بات تھی کردار تھی گفتار نہ تھی

اسکے اخلاق کھٹک جاتے ہیں دل میں ہر بار ۔ وہ شکر ریز تبسم وہ اداہائے وقار
وہ وفا کیشیِ احباب وہ مردانہ شعار ۔ وہ دل آویزیِ خو، وہ نگہِ الفت بار

صحبتِ رنج بھی اک لطف سے کٹ جاتی تھی
اس کی ابرو پہ شکن آکے پلٹ جاتی تھی

آہ اے مرگ کسی شے کی نہیں تجھکو تمیز ۔ تیری نظروں میں برابر ہیں گہر اور پشیز
میں نے مانا ترے نزدیک نہ تھا وہ کوئی چیز ۔ رحم کرنا تھا کہ چھوڑے ہیں کئی ننھے عزیز

لاڈلے ہیں یہ کسی اور کے بس کے بھی نہیں
اسکے بچے ابھی سات آٹھ برس کے بھی نہیں

اے خدا شبلیِ دل خستہ باایں موئے سفید ۔ لیکے آیا ہے تری درگہِ عالی میں امید
مرنے والے کو نجاتِ ابدی کی ہو نوید ۔ خوش و خرم رہے چھوٹا مرا بھائی یہ جنید

کیا لکھوں قصۂ غم تابِ رقم بھی تو نہیں
اب مرے خامۂ پر زور میں دم بھی تو نہیں

شبلی

۶۵- نوحۂ دوست

نیر کلم روز و شب رویا کئے شام و سحر رویا کئے ۔ رونیوالے تیرے تجھکو عمر بھر رویا کئے

کچھ خبر ہے تجھکو اے آسودۂ خوابِ لحد — شب جو تیری یاد میں ہم تا سحر رویا کیے
تیرے جیتے جی نہ جانی قدر تیری العزیز — اپنی اس تقصیر پر ہم کس قدر رویا کیے
جانِ محزون و دلِ پر غم کی حالت کیا کہوں — یاد کچھ کر کر کے جو باعہد گر رویا کیے

برق کے مرنے کا حسرت واقعہ ایسا نہیں
کچھ نہ روئے آہ گر ہم عمر بھر رویا کیے

حسرت

۶۶- بِن ماں کی بچّی

تھی اک پیاری اور ننھی منّی سی بچّی — بہت اپنے ماں باپ کی لاڈلی تھی
مگر اس کی قسمت کا لکھا بُرا تھا — کہ بچپن ہی میں ماں سے چھٹنا بدا تھا
بہت رنج تھا اُسکو چھٹنے کا ماں سے — اُترتا نہ تھا نام ماں کا زباں سے
مگر باپ کرتا تھا یوں اس کی تسکیں — کہ بیمار اماں تری ہو گئی تھیں
انھیں اک حکیم اپنے گھر لے گیا ہے — علاج اُن کا کوشش سے وہ کر رہا ہے
جب آرام ہو گا چلی آئیں گی وہ — بہت جلد پھر تم سے مل جائیں گی وہ
وہ بچی جو بالکل ابھی ناسمجھ تھی — بھلا اس کو اس بات کی کیا سمجھ تھی

سدا پوچھتی اپنے ابّا سے رو کر مری اماں آئینگی کب اچھی ہو کر
نہیں بھیجتے ہیں حکیم اُن کو اب تک بتاؤ رہینگی وہ گھر اُن کے کب تک
مجھے لے چلو وہ تو آتی نہیں ہیں جہاں میری اماں ہیں جاؤں وہیں میں
تھا رونے سے اُسکے پریشان گھر بھر کہ اتنے میں اک دانا بی بی نے آکر
کہا تم اگر میری اک بات مانو اور اُس کو نہ ہرگز خرافات جانو
تو رونا یہ لڑکی کا جاتا رہے گا خدا خود بخود صبر بچی کو دے گا
اسے ماں کی تربت کی مٹی چٹاؤ تو رونے کی پھر یہ نہیں آزماؤ
کہا سب نے یہ بھی بھلا کر کے دیکھو کہ شاید اسی سے اُسے فائدہ ہو

بلاکر کہا اُس کے ابّا نے اُس کو
چلو اپنی اماں کا گھر دیکھ آؤ

یہ سُن کر خوشی سے نہ پھولی سمائی اسی وقت وہ قبر پہ ماں کے آئی
وہاں جاکے سنسان ویران پایا نظر اُس کو گھر کا نشاں تک نہ آیا
جو دیکھا تو ہیں ڈھیر مٹی کے ہر جا نہ اماں تھی واں اور نہ اماں کا گھر تھا
لگی کہنے ابّا سے حیران ہو کر یہاں تو نہیں ہے بنا کوئی بھی گھر
کہا باپ نے تم نہ حیران ہو اب وہ ہے چار دیواری اس میں چلو اب

گئی جب وہ اس میں تو اک قبر دیکھی | جو گملوں سے اور پھولوں سے سج رہی تھی

کہا باپ نے رکھ کے ہاتھ اس پہ اپنا
کہ اماں تری اس میں سوتی ہے بیٹا

سُنا جب یہ لڑکی نے بے چین ہو کر | لگی ڈھونڈنے اس میں دروازہ رو کر
ملا جب نہ رستہ تو بولی یہ رو کر | مری اماں بیٹھی ہے کیوں بند ہو کر
کہا باپ نے پیاری اس میں نہ جانا | جو کہنا ہے باہر ہی سے کہہ سنانا
نہیں میری پیاری کوئی اس میں جاتا | نہیں کوئی سوتوں کو بیٹی جگاتا

یہ سُن کر وہ بے تاب اس طرح بولی
جگاتی ہوں میں دیکھو اماں کو اپنی

یہ کہہ کر پکاری اُٹھو پیاری اماں | مرے ساتھ گھر کو چلو پیاری اماں
یہ ہے کوٹھری کیسی سوتی ہو جس میں | نہ دروازہ ہی اور نہ کھڑکی ہے اس میں
میں کیونکر بھلا اس میں آؤں بتاؤ | تمہیں پیاری اماں مرے پاس آؤ
ذرا کوٹھری سے نکل آؤ باھر | لگا لو گلے سے مجھے اپنے آ کر
ہو روٹھی تو من جاؤ اب پیاری اماں | خطائیں مری بخشو سب پیاری اماں
ستاؤں گی میں اور نہ شوخی کرونگی | کہو گی جو تم اب میں وہ ہی کرونگی

میں مانوں گی کہنا تمہارا تم آؤ — بس اب پیاری اماں نہ مجھکو رولاؤ
مجھے عید کے کپڑے تم آکے سی دو — مرے سر کو دھو دو مرے بال گوندھ دو
بہت دیر سے دیکھو میں یاں کھڑی ہوں — مناتے مناتے تمہیں تھک گئی ہوں
میں گڑیوں سے بھی اب نہیں کھیلتی ہوں — بہت روتی ہوں جب انہیں دیکھتی ہوں
جو تم ہوتیں گڑیوں کے کپڑے بناتیں — کھلونے بہت اچھے اچھے منگاتیں

نہ آتی ہو باہر نہ کچھہ بولتی ہو
کہو اتنی تم کیوں خفا ہو رہی ہو

کھڑا باپ تھا پاس خاموش اسکے — مگر دل ہوا جاتا تھا غم سے ٹکڑے
پھر آخر کو اس طرح بیٹی سے بولا — کہ کہنا تھا جو کہہ چکی ہو وہ بیٹا
نہیں بولتیں تم سے اماں تمہاری — چلو اب تمہیں لے چلوں گھر کو پیاری
بس اب اپنی امّاں کو تم بھول جاؤ — مرا کہنا مانو مرے ساتھہ آؤ
وہ بولی کہ گھر کو نہ جاؤں گی ابّا — میں امّاں کو اپنی مناؤں گی ابّا
انھیں چھوڑ کر میں نہ جاؤں گی گھر کو — وہ بولینگی ابّا ذرا دیر ٹھیرو
تھی امید بچی کو آنے کی ماں کے — ٹھہرکتی نہ تھی اسلئے وہ وہاں سے
وہ رو رو کے آخر کو مایوس ہو کے — چلی آئی گھر ساتھہ ابّا کے اپنے

خدا بچے کا دکھ نہ ماں کو دکھائے　　نہ بچے ہی سے اُس کی ماں کو چھڑائے
مبارک ہوں ماؤں کی گودوں کو بچے
سدا ماؤں کی گود اللہ رکھے

محمدی بیگم مرحومہ

۶۷- صبر

ماں باپ منہ ہی دیکھتے تھے جنکا ہر گھڑی　　قائم تھیں جنکے دم سے امیدیں بڑی بڑی
دامن پہ جنکے گرد بھی اُڑ کر نہیں پڑی　　ماری نہ جنکو خواب میں بھی پھول کی چھڑی
محروم جب وہ گل ہوئے رنگِ حیات سے
اُن کو جلا کے خاک کیا اپنے ہاتھ سے

کہتے تھے لوگ دیکھ کے ماں باپ کا ملال　　ان بیکسوں کی جان کا بچنا ہے اب محال
ہی کبریا کی شان گزرتے ہی ماہ و سال　　خود دل سے دردِ ہجر کا مٹتا گیا خیال
ہاں کچھ دنوں تو نوحہ و ماتم ہوا کیا
آخر کو رو کے بیٹھ گئے اور کیا کیا

چکبست

۶۸۔ سفر آخرت

کیا سخت گھڑی ہوگی اجل آئیگی جبدم کھنچ کھنچ کے ہراک رگ سے نکلنے لگیگا دم
کیا دیکھینگے ہر ایک کو حسرت سے بصد غم اتنی بھی زباں ہل نہ سکے گی کہ چلے ہم
سب کے لئے اک روز یہ تکلیف دھری ہے
اسپر بھی یہ غفلت ہے عجب بے خبری ہے
بھائی نہیں اپنے ہیں نہیں ہے پسر اپنا بیگانے ہیں سب ہوویگا جبدم سفر اپنا
نہ مال نہ اسباب نہ زیور نہ زر اپنا دو گز ہے کفن قبر کا گوشہ ہے گھر اپنا
کچھ ساتھ بجز بیکسی و یاس نہ ہوگا
رہ جائینگے سب دور کوئی پاس نہوگا

انیس

۶۹۔ قبر

آنکھوں کے آگے قبر کی تنہائی پھر گئی موتی کی اک لڑی تھی کہ آنکھوں سے گر گئی
بولی کہ یا علی یہ قیامت کا وقت ہے مرنے سے سخت قبر کی وحشت کا وقت ہے

جلد دوم
میت پہ بعد دفن یہ آفت کا وقت ہی — اسوقت وارثوں کی محبت کا وقت ہی
ہمدم نہیں رفیق نہیں مہرباں نہیں
یہ وہ جگہ ہے کوئی کسی کا جہاں نہیں
وہ اجنبی مکاں وہ اندھیرا ادھرا ودھر — پہلے پہل وہ بستی سے ویرانے کا سفر
نہ شمع روشنی کے لئے نہ شگافِ در — ہمسایہ وہ کہ دوسرے سے ایک بیخبر
کسکو کوئی پکارے کہاں جائے کیا کرے
آسان سب پہ قبر کی مشکل خدا کرے

دبیر

۷۰- آخری منزل

کیا اونکو خبر جو کہ مکانوں میں مکیں ہیں — خویش و پسر و ہمدم و احباب قریں ہیں
تاریکی مرقد سے وہ آگاہ نہیں ہیں — پوچھے کوئی ان لوگوں سے جو زیر زمیں ہیں
مٹی کے تلے ان کو بسر ہوتی ہے کیونکر
شب ہوتی ہی کس طرح سحر ہوتی ہی کیونکر
آرام کے خوگر کو ہی سختی کی کہاں تاب — شب کو جو اندھیرا ہو تو ہو جاتا ہی بیخواب

تربت میں کہاں راحت و آرام کی اسباب جز داغِ جگر روشنیِ شمع ہے نایاب
گھبرائے کہ وحشت ہو کہیں جا نہیں سکتا
کروٹ بھی بدلنے کی جگہہ پا نہیں سکتا

صحبت تھی شب و روز کی جس سے وہ کہاں پاس ہمدرد جو حسرت تو مصاحب الم و یاس
وہ قبر کا ڈر پرسشِ احوال کا وسواس اس ملک سے دنیا میں پھر آنے کی نہیں آس
دکھلائیں تزک چار دن افلاک کے نیچے
سب شاہ و گدا ایک سے ہیں خاک کے نیچے

انیس

۱۷۔ عبرت

چہکتے ہیں مرغِ چمن کیسے کیسے کھلے ہیں گل و یاسمن کیسے کیسے
جہاں گل تھے اک خار بھی واں نہیں ہے اجاڑے خزاں نے چمن کیسے کیسے
ذرا دیکھ عبرت سے سوتے ہیں غافل مزاروں میں پہنے کفن کیسے کیسے
عدم جا کے ہستی کی یاد آئیگی کیا
اٹھاتے ہیں رنج و محن کیسے کیسے رند

۷۲- عبرت

اے حبِّ جاہ والو جو آج تاجور ہے ۔ کل اُسکو دیکھنا تم نے تاج ہی نہ سر ہی
اے ہمصفیر بے گل کس کو دماغ نالہ مدّت ہوئی ہماری منقار زیر پر ہی
شمع اخیر شب ہوں سن سرگزشت میری پھر صبح ہوتے تک تو قصہ ہی مختصر ہی

اب رحم پر اسی کے موقوف ہی بہاں تو
نے اشک میں سرایت نے آہ میں اثر ہی

میر

۷۳- ابتداءِ اُلفت

ہم انہیں دیکھا کیے اور وہ ہمیں دیکھا کیے ہائے وہ پہلی نگاہیں، اجنبیت کے مزے
وہ نگاہ شوخ کی گستاخیاں وہ جراُتیں ہمّت افزا تھوڑی تھوڑی واقفیت کے مزے
شوق افزوں، مانعِ عرضِ تمنّا دابِ حسن بارہا دل نے اٹھائے ایسی حالت کے مزے
وہ نہ جانا محفلِ جاناں میں بلوائے پہ بھی وہ خیالِ امتحانِ جذبِ الفت کے مزے

ہائے آخر ہو گئی برہم مری بزمِ نشاط
چرخ کو بھائے نہ میرے عیش و عشرت کے مزے

محروم

۴۷۔ مقصودِ الفت

کیا مرے حسن دلاویز پہ تو مرتا ہے
شعلہ روئی پہ مری جان فدا کرتا ہے
یہ اگر سچ ہی تو جا مجھ سے محبت مت کر
نگہ عشق رخِ مہرِ جہانتاب پہ ڈال
حسنِ ہیئتل کو جسکے نہ اجل ہے نہ زوال

کم سنی پر مری مائل ہے طبیعت تیری
حسنِ نوخیز سے وابستہ ہی الفت تیری
یہ اگر سچ ہی تو جا مجھ سے محبت مت کر
تری اُلفت کی ہے قابل رخِ زیبائے بہار
جس پہ ہر سال نیا حسن نرالا ہے نکھار

چاہتا ہی مجھے تو کیا مری دولت کے لئے
دل ہی بیکل ترا میرے زر و حشمت کی لئے
یہ اگر سچ ہے تو جا مجھ سے محبت مت کر
چاہیئے تجھ کو کرے بحرِ گہر خیز سے پیار
جسکے انمول جواہر کا نہیں کوئی شمار

پیار مجھسے ہی تجھے کیا مری الفت کی لئے
دل ہے پروانہ ترا شمع محبت کے لئے

جلد دوم یہ اگر سچ ہے تو کر مجھ سے محبت پیارے
بہتر از مہر و بہاراں دلِ شیدا میرا
بحر میں بھی نہیں ایسا گہر مہر و وفا

نیرنگ

۷۵۔ عشق

عشق کے ہاتھ سے ہوئے دل ریش
جگ میں کیا بادشاہ کیا درویش
جی میرا ہو رہا ہے زیر و زبر
جب سے تیرا فراق آیا پیش
جس کو قربت ہی عشق سے تیرے
اسکے نزدیک کب عزیز ہوں خویش
اے ولی اُس کا زہر کیوں اُترے
جس نے کھایا ہے عاشقی کا نیش

ولی دکنی

۷۶۔ ضبطِ عشق

عشق کو ضبط کئے بیٹھے ہیں
دل میں اک درد لئے بیٹھے ہیں
زرد چہرہ ہے نگاہیں مایوس
ہونٹوں تک آتی ہیں آہیں مایوس

ظاہرا کوئی نہیں ہے آزار | لاکھوں بیمار کے لیکن بیمار
اشک آنکھوں سے نہ گرنیوالے | اپنے ہی حلقہ میں پھرنے والے
طبع کو شوق تلاشِ خلوت | بات کرنی ہر اک سے نفرت
پہروں خاموش ہی بیٹھے رہنا | سنبھلے رہنا جو کبھی کچھ کہنا
پوچھنے والے نے پوچھا جو مزاج | کہدیا کل سے تو اچھے ہیں آج
ہوش اڑنے پہ بھی اتنا ہی خیال | کہ نہ سمجھے کوئی پابندِ ملال
خود کہیں عقل کہیں ذہن کہیں | یہ تو سب کچھ ہی تصوّر ہی وہیں

نہیں معلوم کہاں بیٹھے ہیں
اچھے بیٹھے ہیں جہاں بیٹھے ہیں

محشر

۷۷۔ حالِ دل

ناصحا دل میں تو اتنا تو سمجھہ اپنے کہ ہم | لاکھ نادان ہوے کیا تجھسے بھی ناداں ہونگے
پھر بہار آئی وہی دشت نوردی ہوگی | پھر وہی پاؤں وہی خارِ مغیلاں ہونگے
ایک ہم ہیں کہ ہوے ایسے پشیمان کہ بس | ایک وہ ہیں کہ جنہیں چاہ کی ارماں ہونگے

ہم نکالینگے سُن اے موجِ ہوا بل تیرا
اسکی زلفوں کے اگر بال پریشاں ہونگے
منتِ حضرتِ عیسیٰ نہ اٹھائیں گے کبھی
زندگی کے لئے شرمندۂ احساں ہونگے
تو کہاں جائیگی کچھہ اپنا ٹھکانا کر لے
ہم تو کل خوابِ عدم میں شبِ ہجراں ہونگے

مومن

۷۸- دل سے دو دو باتیں

دل غم نصیب محزوں
تو نحیف و زار کیوں ہے
یہی تجھ سے پوچھتا ہوں
کہ تو بے قرار کیوں ہے
تجھے اضطراب کیوں ہے
ہے عجیب تیری دھڑکن
ہے تڑپ تری نرالی
تو ہے دل مرا کہ دشمن
مری جان زار کھالی
نہ ہوا تو غم سے خالی
ترے غم کو میں بھی جانوں
کہ وہ کس مآل کا ہے
وہ نتیجہ میں بھی دیکھوں
جو ترے خیال کا ہے

جو ترے ملال کا ہے

نہ شگفتہ فصلِ گلُ میں	نہ کسی چمن میں خنداں
نہ قرار شور و غلُ میں	نہ سکوت میں تو شاداں
تجھے کیا ہوا ہے ناداں

تجھے لے گیا چمن میں	کہ کسی طرح کھلے تو
گل و لالہ و سمن میں	کرے شکوے اور گلے تو
اگر ان میں کچھ سے ملے تو

مگر آہ واں بھی دیکھا	نہ تری خوشی کا ساماں
گل و سبزہ پر نہ ریجھا	نہ نوائے عندلیباں
نہ ہوا ترا نہ ریزاں

تجھے بزم عیش میں بھی	تو بٹھا بٹھا کے دیکھا
تجھے جام دستِ ساقی	سے پلا پلا کے دیکھا
غرض آزما کے دیکھا

نہ ہوا قرار تجھ کو	کوئی اور آرزو ہے
گلِ عیش خار تجھ کو	تری خو میں اور بو ہے

کوئی اور جستجو ہے

تجھے لے چلوں وہاں میں ہیں جہاں چمکتے تارے
کہ تجھے بلا رہے ہیں وہ فلک کے ماہ تارے
ہیں عجیب پیارے پیارے

نہ تجھے ہے ان کی چاہت نہ ہے تیرہ خاکداں کی
نہ زمیں سے تجھ کو اُلفت نہ محبت آسماں کی
تو ہے آرزو کہاں کی

۷۹۔ دل شکستہ

محروم

نہ چھیڑو ہمیں دل دکھائے ہوئے ہیں جدائی کے صدمے اُٹھائے ہوئے ہیں
جو اشک آنکھوں میں ڈبڈبائے ہوئے ہیں کڑی چوٹ ہم دل پہ کھائے ہوئے ہیں
بلانے سے ہرگز نہیں آئینگے وہ
ولا اُنکو ہم آزمائے ہوئے ہیں

صدف

۸۰۔ فسانۂ دل

نہ سنے درد دل مرا نہ سنے
میں کہوں گا سنے وہ یا نہ سنے
لاکھ دلچسپ ہے مرا قصہ
مگر اس نے کبھی سنا نہ سنے
جو کوئی درد آشنا ہو امیرؔ
ادھر آئے مرا فسانہ سنے

امیرؔ

۸۱۔ بیتابی و بیکسی

ہائے یہ ظلم سہا کیونکر جائے
میں جیوں اور مرا دل مر جائے
عمر برباد نہ جائے اے کاش
دل کی آئی مجھے آ رے اے کاش
جاں ہمہ رنج و سراپا غم ہے
رنج سا رنج ہی غم سا غم ہے
دیکھتا ہوں عجب احوال اپنا
کیا کہوں کس سے کہوں حال اپنا
درد ہجراں سے سبھی کو ہے فراغ
بات پوچھے کوئی یہ کس کو دماغ
سب ہیں بیدرد نہیں کسکا غم
غمزدوں کا ہی کسی کو کیا غم

(ممتازؔ)

کون پوچھے ہے کسی کا احوال — جانتے ہم ہیں سبھی کا احوال
کوئی ناشاد ہو یا ہو ناکام — اپنے سب خوش ہیں کیسکو کیا کام
کوئی ہمدم ہے نہ دمساز مرا — کوئی محرم ہے نہ ہمراز مرا
کوئی اتنا نہیں جو حال سُنے — متوجہ ہو کچھہ احوال سُنے
کوئی اتنا نہیں جو چارہ کرے — چارۂ مومنِ آوارہ کرے
چارہ گر ہو نہ سکے فکر تو ہو — وصلِ جاناں نہ سہی ذکر تو ہو
دل ہو مضطر تو نہ آرام لے وہ — میں جو تڑپوں تو ذرا تھام لے وہ
کچھہ کرے بات ذرا بہلائے — جی کسی ڈھب سے مرا بہلائے
ہائے میں ڈھونڈ کے لاؤں کسکو — ماجرا اپنا سناؤں کس کو
کون میرا مگر اپنا ہوں میں — عاشقِ بیکس و تنہا ہوں میں
اس تکلم سے یہ مطلب ہے مرا — جو سُنے سمجھے وہ افسانہ مرا
گو کہیں ہو وہ کسی جا ہوئے — دل میں پر درد ذرا سا ہوئے
ہو یہ مجھ سا وہ نہ ہو دیوانہ — تا سُنے سمجھے مرا افسانہ
اس کو پہنچا ہو جدائی کا درد — تا وہ جانے کہ ہے اسمیں کیا درد
ماجرائے غمِ حرماں سمجھے — سرگزشتِ شبِ ہجراں سمجھے

بات کچھ میری زبانی سن لے غور سے ہماری کہانی سن لے
سب مضامین و معانی سوچے مطلبِ رازِ نہانی سوچے
نہ کہانی نہ یہ ہے افسانہ
داد و بیداد ہے مظلومانہ

مومن

۸۲-شورشِ الفت

رخصت اے زنداں جنوں زنجیر در کھڑکائے ہے
مژدہ خارِ دشت پھر تلوا مرا کھجلائے ہے

بس کرم سوزِ دروں بھن جائیں گے دل اور جگر
رحم جوشِ گریہ چھاتی پھر ابھی بھر آئے ہے

دم کی ہے سینہ میں آکر ضعف سے یہ گفتگو
دیکھئے لب تک خدا کس طرح سے پہنچائے ہے

بل بے استغنا کہ وہ یاں آتے آتے رہ گئے
اُف رے بیتابی کہ یاں تو دم ہی نکلا جائے ہے

نزع ہی میں ذوق کو تیرا ہی بس ہے انتظار
جانبِ در دیکھ لے ہی جبکہ ہوش آجائے ہے

ذوق

۴۳۔ رشکِ الفت

رشک کہتا ہے کہ اس کا غیر سے اخلاص حیف
عقل کہتی ہے کہ وہ بے مہر کس کا آشنا

یہ رشک ہے کہ وہ ہوتا ہے ہم سخن تم سے
وگرنہ خوفِ بد آموزیٔ عدو کیا ہے

گزرا اسد مسرتِ پیغامِ یار سے
قاصد پہ مجھکو رشک سوال و جواب ہے

ہے مجھ کو تجھ سے تذکرۂ غیر کا گلا
ہر چند بر سبیل شکایت ہی کیوں نہ ہو

نہیں گر ہمدمی آساں نہو یہ رشک کیا کم ہے
نہ دی ہوتی خدایا آرزوے دوست دشمن کو

تکلف برطرف نظارگی میں بھی سہی لیکن جلد د

وہ دیکھا جائے کب یہ ظلم دیکھا جائے ہی مجھ سے

چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں

ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کدھر کو میں

وارستہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہ ہو

کیجے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں نہ ہو

قہر ہو یا بلا ہو جو کچھ ہو

کاشکے تم مرے لئے ہوتے

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے

میں اُسے دیکھوں بھلا یہ مجھ سے دیکھا جائے ہے

غالب

۴۸۔ شکایت الفت

سودا فغاں کو خط یہ لکھا اس کے یار نے

جس وقت اس کے حال کی اس کو خبر گئی

سُن اے فغاں جہان میں عاشق جو ہو گیا
معشوق سے اسی روش اس کی گزر گئی

شیریں نے جور کب نہ کیا کوہ کن کے سر
مجنوں پہ کیا جفا تھی کہ لیلیٰ نہ کر گئی

کل ہی پڑی سسکتی تھی بلبل چمن کے بیچ
ذرّا نہ اس کے حال پہ گل کی نظر گئی

پروانے ذات شمع سے اتنے جلے کہ صبح
خاکستر اُن کی لے کے صبا دوش پر گئی

میں تازہ کچھ کیا ہے کہ بدنامی کو مری
آوازِ آہ و نالہ تری گھر بہ گھر گئی

لوہو سے تیرے سر کے ہے دیوار گھر کی سُرخ
آنکھوں سے موج خون کی بیرونِ در گئی

حرمت رکھی نہ رعد کی فریاد نے تری
رونے سے تیرے آبروئے ابر تر گئی

القصہ خط کو پڑھ کے یہ اس نے لکھا کہ خیر
تیرے ہی دل کی مہر نہ جانوں کدھر گئی

شیریں کی ایک میں نہ کہوں ورنہ بارہا
لیلیٰ جدھر تھی وادیٔ مجنوں اُدھر گئی

یہاں تک تو گھٹ میں لیلیٰ کے مجنوں سما گیا
اس اتحاد سے انھیں باہم بسر گئی

جاری ہوا تھا خوں رگِ مجنوں سے وقت فصد
لیلےٰ کے پوست بال اگر نیشتر گئی

ظالم کرو ڑگل کا گریباں ہوا ہے چاک
اک عندلیب گر اجل اپنی سے مر گئی

پروانہ کون سا نہ جلا شام کو کہ شمع
روتی ہوئی نہ بزم سے وقتِ سحر گئی

یہ گفتگو تو قطع نظر اس سے تجھ کو کیا
مجھ سے جفائے ہجر کی طاقت اگر گئی

میرے لہو سے ہے مری دیوار گھر کی سرخ
میری ہی موجِ خوں، مرے بیرونِ در گئی

شکوہ تو کیوں کرے ہے مرے اشکِ سرخ کا
تیری کب آستیں مرے لوہو سے بھر گئی

سعدا

۸۵- یادِ الفت

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہی یعنی وعدہ نباہ کا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ جو لطف مجھ پہ تھے پیشتر وہ کرم تھا میرے جو حال پر
مجھے سب ہے یاد ذرا ذرا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ نئے گلے وہ شکایتیں وہ مزے مزے کی حکایتیں
وہ ہر ایک بات پہ روٹھنا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

کبھی ہم میں تم میں بھی چاہ تھی کبھی ہم سے تم سے بھی راہ تھی
کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

جسے آپ کہتے تھے آشنا جسے آپ کہتے تھے باوفا
میں وہی ہوں مومنِ مبتلا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

مومن

۸۶- یادِ یار

جب سے تجھ سے جدا ہوا ہوں میں اک مصیبت میں مبتلا ہوں میں

یاد رہتی ہے ہر گھڑی تیری
صورت آنکھوں میں ہی کھڑی تیری

تن یہاں ہی تو جاں ہی تیرے پاس
کہئے اب کیا ہے زندگی کی آس

یاد ہے تیری رات دن مجھکو
جان دو بھر ہی تیرے بن مجھکو

کام کوئی کیا نہیں جاتا
شغل کوئی بھی خوش نہیں آتا

دل کے بہلانے کو جو ہو مضطر
جاؤں دریا و کوہ و صحرا پر

جی بہلتا نہیں وہاں بھی مرا
ساتھ ہی دلکے وہاں بھی دھیان ترا

فکر کھانے کی ہی نہ پینے کا ہوش
بھول دل ہی گیا ہوں سب خور و نوش

کپڑے میلے ہیں گر تو فکر نہیں
غسل کی یاد آئے ذکر نہیں

بولنا کچھ کسی سے بار ہے اب
بات کرنا ہی ناگوار ہے اب

گر کھڑا ہوں تو سخت حیرت ناک
اور جو بیٹھا تو جان غم سے ہلاک

سحر

۸۷۔ محبّت کی چھیڑ چھاڑ

چھیڑنے کا تو مزہ تب ہی کہو اور سنو
بات میں تم تو خفا ہو گئے لو اور سنو

تم کہو گے جسے کچھ کیوں نہ کہیگا تم کو چھوڑ دیویگا بھلا دیکھ تو لو اور سنو
یہی انصاف ہی کچھ سوچو تو دل میں اپنے تم تو سنو کہو میری یک نہ سنو اور سنو
آپ ہی آپ مجھے چھیڑو رکو آپ ہی پھر
آپ ہی بات میں پھر روٹھ اٹھو اور سنو

انشاء

۸۸- سرد مہری

گاہے گاہے کی ملاقات ہے یہ بھی نہ سہی
اور کیا اس کے سوا بات ہے یہ بھی نہ سہی
مُنہ دکھاتے ہو تم اک سال میں مثلِ مہِ عید
یہ بھی گر ہارجِ اوقات ہے یہ بھی نہ سہی
خط کا لکھنا بھی گرانی ہے تو وہ بھی نہ لکھو
روز کی حرف و حکایات ہے یہ بھی نہ سہی
نظرِ لطف کبھی حال پہ کرتے ہو مرے
اس میں گر قصد مساوات ہے یہ بھی نہ سہی

چھوڑ دی آپ نے جب بندہ نوازی صاحب
ایک ظاہر کی عنایات ہے یہ بھی نہ سہی
اور تو کیا ہے فقط ایک خوشی سے ملنا
یہی صابر کی کرامات ہی یہ بھی نہ سہی

صابر

۸۹۔ شکر رنجی

تمھارا دل اگر ہم سے پھرا ہے — تو بہتر ہے ہمارا بھی خدا ہے
ہوئے ہو اسقدر بیزار ہم سے — کہو ہم نے تمھارا کیا کیا ہے
وہ احمق ہے کہا ہی جس نے تمسے — ملو جس سے تمھارا دل ملا ہے
ہماری کچھ نہیں تقصیر لیکن
سبھی تم کو کہیں گے بیوفا ہے

ابرو

۹۰۔ شبِ ہجر

شبِ ہجراں بسر نہیں ہوتی — نہیں ہوتی سحر نہیں ہوتی

رات کیا آئی اک بلا آئی بسترِ رنج و کنج تنہائی
نہیں لگتی مری پلک سے پلک شام سے حال ہے یہ صبح تلک
کیا شفق نے کھلا دیا سیندور کیوں نہیں بولتے سحر کے طیور
کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے گھر
سگِ دیوانہ بن گیا ہے گھر

ذوق

۹۱۔ شبِ فراق

پلک ذرا نہ جھپکتی تھی دل دھڑکتا تھا
کسی کے وعدے پہ حالت تھی یہ ہماری رات

پڑے تڑپتے تھے بستر پہ آہیں بھر بھر کے
جو یاد آتی تھی صورت پیاری پیاری رات

شبِ فراق کٹے کس طرح سے اے جرأت
یہ رات وہ ہے کہ کہتے ہیں جسکو بھاری رات

جرأت

۹۲۔ شبِ غم

وہی شام دھندلی وہی رات کالی
وہی خامشی ہوا میں وہی بدلیوں کی جالی
وہی شمع پھیکی مرے ساتھ رونے والی
وہی میں وہی مرا دل وہی مشورے خیالی
شبِ غم بُری بلا ہے شبِ غم بری بلا ہے

مرے گھر میں کیوں خموشی مرے دل پہ کیوں تباہی
یہ مکاں ہے یا کہ صحرا میں مکیں ہوں یا کہ راہی
در بام پر ہے اکثر شبِ گور کی سیاہی
میں ہوں زندہ یا کہ مردہ مجھے کیا ہوا الٰہی
شبِ غم بُری بلا ہے شبِ غم بُری بلا ہے

میں کسے یہاں پکاروں کہ نہیں نشاں کسی کا
نہ قدم کی کوئی آہٹ نہ گزر یہاں کسی کا

ہی جہاں میں کوئی مونس کوئی راز داں کسی کا

ہے یکیں یہاں کا تنہا یہ بھی ہے مکاں کسی کا

شبِ غم بری بلا ہے شبِ غم بری بلا ہے

ترے رحم سے بسر ہو یہ شبِ محن الٰہی

نظر آرہے پھر کسی کی مجھے انجمن الٰہی

مری روح چھوڑ جائے نہ دیارِ تن الٰہی

کہیں دامنِ شبِ غم نہ بنے کفن الٰہی

شب غم بُری بلا ہے شب غم بری بلا ہے

۹۳۔ گریہ

محروم

بھاتا ہے مجھکو رونا ابرِ بہار تیرا   ہے موتیوں کی مالا اشکوں کا ہار تیرا

معشوق ہو کہ عاشق دونوں میں پیار تیرا   بلبل کو اور گل کو ہے انتظار تیرا

برسات نے ملائے یہ خوب یار دونوں

آمل کے روئیں ہم تم ابرِ بہار دونوں

سینے میں دل ہی میرے اور برق تجھ میں پنہاں   دونوں میں اک تڑپ ہے بیتاب دونوں یکساں

دونوں مچل مچل کر کرتے ہیں ہمکو حیراں شوریدہ سر ہیں دونو۔ دونو ہیں خانہ ویراں

وہ دیکھ کس طرح ہیں اب بیقرار دونو

آمل کے روئیں ہم تم ابر بہار دونو

کرتے ہیں ابر نیساں اب ملکے اشکباری دیکھیں کہ رنگ لائے کیا اپنی آہ وزاری

کچھہ کر دکھائیں ہم بھی مرضی ہو گر تمہاری ہو جائیگی یہ دنیا اک پل میں غرق ساری

جی بھر کے روئینگے جب زار و قطار دونو

آمل کے روئیں ہم تم ابر بہار دونو

دریا کا ہو کنارا اور چل رہی ہوا ہو بجلی تڑپ رہی ہو چھائی ہوئی گھٹا ہو

اک دم مزاج برہم صبر و قرار کا ہو قلب و جگر کو تھامے محرومؔ بھی کھڑا ہو

ہو جائیں دل ہی دل میں بے اختیار دونو

اس وقت مل کے روئیں ابر بہار دونو

محروم

۹۴- گوہر اشک

سر د چلتی تھیں ہوائیں اور اندھیری رات تھی سو رہی تھیں برف کے بستر پہ کرنیں چاند کی

نازنیں اک مرقدِ نوبستۂ دلدار پر
بیٹھ کر آنسو بہانے لگ گئی با چشم تر
برف کے مانند قطرہ اشک کا وہ جم گیا
صبح کو سورج کی کرنوں نے اسے چمکا دیا
اتفاقاً اک فرشتہ کا ہوا اس پر گزر
دیکھ پایا اس نے وہ اشکِ درخشاں قبر پر
جھٹ اٹھا کر لے لیا اسنے وہ درِّ بے بہا
اور وہ اسکے تاج سر کے واسطے زینت ہوا

اختر

۹۵ سیتا جی کی منت وزاری

(رامچندر جی کے بن باس کے وقت)

ہمراہ اپنے بن کو مجھے ساتھ لے چلو
رکھا تمھارے چرنوں کی ہوں ساتھ لیچلو
نازک ہی میرا شیشۂ دل ٹوٹ جائیگا
چھوٹا تمہارا ساتھ تو جی چھوٹ جائیگا
مجھ سے شبِ فراق میں تڑپا نجائے گا
روزِ سیاہ ہجر کا دیکھا نہ جائے گا
گھر میں جو چھوڑ جاؤ گے سیتا غریب کو
پاؤ گے بن سے آکے نہ جیتا غریب کو
مانا کہ دشت میں غم و آلام ہیں بہت
بن باسیوں کو دکھ سحر و شام ہیں بہت

صحرا مجھے چمن ہے رفاقت میں آپ کی دنیا کے سارے عیش ہیں خدمتمیں آپ کی
سوامی جو تم ہو ساتھ تو کیسا الم کدہ خس پوش جھونپڑا مجھے ہوگا صنم کدہ
صورت تمہاری دیکھ کے غم بھول جاؤنگی
صحرا کے سارے رنج و الم بھول جاؤنگی

سرور جہان آبادی

۹۶- رامچندر جی ماں سے رخصت ہوتے ہیں

دل کو سنبھالتا ہوا آخر وہ خوش خصال خاموش ماں کے پاس گیا صورتِ خیال
دیکھا تو ایک در میں ہے بیٹھی وہ خستہ حال سکتہ سا ہو گیا ہے یہ ہے شدّتِ ملال
تن میں لہو کا نام نہیں زرد رنگ ہے
گویا بشر نہیں کوئی تصویر سنگ ہے
کیا جانے کس خیال میں گم تھی وہ بے گناہ نورِ نظر پہ دیدۂ حسرت سے کی نگاہ
جنبش ہوئی لبوں کو بھری ایک سرد آہ لی گوشہ ہائے چشم سے اشکوں نے رخ کی راہ
چہرے کا رنگ حالت دل کھولنے لگا
ہر موئے تن زباں کی طرح بولنے لگا

جلد دوم

روکر کہا خموش کھڑے کیوں ہو میری جاں
میں جانتی ہوں جسلیے آئے ہو میری جاں
سب کی خوشی یہی ہے تو صحرا کو ہو رواں
لیکن میں اپنے منہ سے نہ ہرگز کہونگی ہاں

کس طرح بن میں آنکھوں کے تارے کو بھیجدوں
جوگی بنا کے راج دلارے کو بھیجدوں

لیتی کسی فقیر کے گھر میں اگر جنم
ہوتے نہ میری جان کو سامان یہ بہم
ڈستا نہ سانپ بنکے مجھے شوکت و حشم
تم میرے لال تھے مجھے کس سلطنت سے کم

میں خوش ہوں پھونکدے کوئی اس تخت و تاج کو
تم ہی نہیں تو آگ لگاؤں گی راج کو

سرزد ہوئے تھے مجھ سے خدا جانے کیا گناہ
منجدھار میں جو یوں مری کشتی ہوئی تباہ
آتی نظر نہیں کوئی امن و اماں کی راہ
اب یاں سے کوچ ہو تو عدم میں ملے پناہ

تقصیر میری خالقِ عالم بحل کرے
آسان مجھ غریب کی مشکل اجل کرے

سنکر زباں سے ماں کی یہ فریادِ دردخیز
اس خستہ جان کے دل پہ چلی غم کی تیغ تیز
عالم یہ تھا قریب کہ آنکھیں ہوں اشک ریز
لیکن ہزار ضبط سے رونے سے کی گریز

سوچا یہی کہ جان سے بیکس گزر نہ جائے
ناشاد ہم کو دیکھ کے ماں اور مر نہ جائے

پھر عرض کی یہ مادرِ ناشاد کے حضور
مایوس کیوں ہیں آپ الم کا ہی کیوں وفور
صدمہ یہ شاق عالمِ پیری میں ہے ضرور
لیکن نہ دل سے کیجئے صبر و قرار دور
شاید خزاں سے شکل عیاں ہو بہار کی
کچھ مصلحت اسی میں ہو پروردگار کی

یہ جعل یہ فریب یہ سازش یہ شور و شر
ہونا جو ہے سب اسکے بہانے ہیں سر بسر
اسباب ظاہری ہیں نہ ان پر کرو نظر
کیا جانے کیا ہی پردۂ قدرت میں جلوہ گر
خاص اُسکی مصلحت کوئی پہچانتا نہیں
منظور کیا اُسے ہے کوئی جانتا نہیں

راحت ہو یا کہ رنج خوشی ہو کہ انتشار
واجب ہر ایک رنگ میں ہی شکرِ کردگار
تم ہی نہیں ہو کشتۂ نیرنگ روزگار
ماتم کدہ میں دہر کے لاکھوں ہیں سوگوار
سختی سہی نہیں کہ اُٹھائی کڑی نہیں
دنیا میں کیا کسی پہ مصیبت پڑی نہیں

پڑتا ہے جس غریب پہ رنج و محن کا بار
کرتا ہے اس کو صبر عطا آپ کردگار

مایوس ہو کے ہوتے ہیں انساں گناہ گار
یہ جانتے نہیں وہ ہے دانائے روزگار

انسان اسکی راہ میں ثابت قدم رہے
گردن وہی ہے امرِ رضا میں جو خم رہے

اور آپ کو تو کچھ بھی نہیں رنج کا مقام
بعد سفر وطن میں ہم آئیں گے شاد کام
ہوتے ہیں بات کرنے میں چودہ برس تمام
قائم امید ہی سے ہے دنیا ہے جس کا نام

اور یوں کہیں بھی رنج و بلا سے مفر نہیں
کیا ہوگا دو گھڑی میں کسی کو خبر نہیں

اکثر ریاض کرتے ہیں پھولوں پہ باغباں
ہے دن کی دھوپ رات کی شبنم انہیں گراں
لیکن جو رنگ باغ بدلتا ہے ناگہاں
وہ گل ہزار پردوں میں جاتے ہیں رائیگاں

رکھتے ہیں جو عزیز انہیں اپنی جاں کی طرح
ملتے ہیں دستِ یاس وہ برگِ خزاں کی طرح

لیکن جو پھول کھلتے ہیں صحرا میں بے شمار
موقوف کچھ ریاض پہ انکی نہیں بہار
دیکھو یہ قدرتِ چمن آرائے روزگار
وہ ابر و برف و باد میں رہتے ہیں برقرار

ہوتا ہے ان پہ فضل جو ربِ کریم کا
موجِ سموم بنتی ہے جھونکا نسیم کا

اپنی نگاہ ہے کرمِ کارساز پر
صحرا چمن بنے گا وہ ہے مہرباں اگر

جنگل ہو یا پہاڑ، سفر ہو کہ ہو حضر
رہتا نہیں وہ حال سے بندے کی بےخبر

اس کا کرم شریک اگر ہے تو غم نہیں
دامانِ دشت دامنِ مادر سے کم نہیں

چکبست

۹۷۔ حبِ وطن

اے سپہرِ بریں کے سیّارو
اے فضائے زمیں کے گلزارو

اے پہاڑوں کی دلفریب فضا
اے لبِ جو کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا

اے عنادل کے نغمۂ سحری
اے شبِ ماہتاب تاروں بھری

اے نسیمِ بہار کے جھونکو
دھرِ ناپائیدار کے دھوکو

تم ہر ایک حال میں ہو یوں تو عزیز
تھے وطن میں مگر کچھ اور ہی چیز

جب وطن میں ہمارا تھا رہنا
تم سے دل باغ باغ تھا اپنا

تم مری دل لگی کے ساماں تھے
تم مرے دردِ دل کے درماں تھے

تم سے کٹتا تھا رنجِ تنہائی
تم سے پاتا تھا دل شکیبائی

آن اک اک تمہاری بھاتی تھی
جو ادا تھی وہ جی لبھاتی تھی

کرتے تھے جب تم اپنی غمخواری
دہوئی جاتی تھیں کلفتیں ساری

جب ہوا کھانے باغ جاتے تھے
ہو کے خوش حال گھر میں آتے تھے

بیٹھ جاتے تھے جب کبھی لبِ آب
دھو کے اُٹھتے تھے دل کے داغ شتاب

کوہ و صحرا و آسمان و زمیں
سب مری دل لگی کی شکلیں تھیں

پر چھٹا جب سے اپنا ملک و دیار
جی ہوا تم سے خود بخود بیزار

نہ گلوں کی ادا خوش آتی ہے
نہ صدا بلبلوں کی بھاتی ہے

سیرِ گلشن ہے جی کا اک جنجال
شبِ مہتاب جان کو ہے وبال

کوہ و صحرا سے تا لبِ دریا
جس طرف جائیں جی نہیں لگتا

کیا ہوئے وہ دن اور وہ راتیں
تم میں اگلی سی اب نہیں باتیں

ہم ہی غربت میں ہو گئے کچھ اور
یا تمہارے ہی کچھ بدل گئے طور

حالی

۹۸ حبِّ وطن

قصدِ غربت ہو جب ہوئے وطن جانے کا
قدرتاً ہوتا ہے اک جوشِ مسرت پیدا

بڑہتا جاتا ہی جوانسان کا آگے کو قدم   دل دہڑکتا ہی محبت سے وطن کی پیہم

دور سے شکل وطن جبکہ نظر آتی ہے

دفعتاً جان میں اک جان سی آجاتی ہے

مردہ دل کیا کوئی زندہ ہی جہاں میں ایسا   جس کو احساس نہیں حبّ وطن کا اصلا

کون ہی جو نہیں ہے شیفتہ حبّ وطن   کیا کسی بلبل شیدا کو نہیں عشقِ چمن

کون ہے دل میں نہیں جسکے محبت اسکی

یہ پری زینتِ آغوش نہیں ہی کس کی

کیا کوئی ہی کہ نہیں ہی جسے کچہہ حبِ وطن   اور اگر ہے تو سُنا دو اُسے میرا یہ سخن

لاکہ حاصل ہو تجہے دولت و ثروت اتنی   کر سکے آدمی ملنے کی تمنّا جتنی

نام اونچا ہو خطابات بڑے ہوں تیرے

کچہہ نہیں ہیچ ہی بے حبِ وطن یاد رہے

نیکنامی تجہے دولت سے نہ حاصل ہوگی   نہ خطابات پہ دنیا ترے مائل ہوگی

کچہہ خوشامد تو کرائیگی یہ دولت تیری   دل سے کوئی نہ کریگا کبھی عزّت تیری

اس طرح عالم فانی سے گزر جائے گا

کہ ترے ساتہ ترا نام بھی مرجائے گا

سید حیدر علی زیدی

جلد دوم

۹۹ میرا وطن

چشتی نے جس زمیں میں پیغامِ حق سُنایا
نانک نے جس چمن میں وحدت کا راگ گایا
تاتاریوں نے جس کو اپنا وطن بنایا
جس نے حجازیوں سے دشتِ عرب چھڑایا

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

یونانیوں کو جس نے حیران کر دیا تھا
سارے جہاں کو جس نے علم و ہنر دیا تھا
مٹی کو جس کی حق نے زر کا اثر دیا تھا
ترکوں کا جسنے دامن ہیروں سے بھر دیا تھا

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

ٹوٹے تھے جو ستارے فارس کے آسماں سے
پھر تاب دیکے جسنے چمکائے کہکشاں سے
وحدت کی لے سُنی تھی دنیا نے جس مکاں سے
میرِ عرب صلعم کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

بندے کلیم جسکے پربت جہاں کے سینا
نوحِ نبیؑ کا ٹھیرا آکر جہاں سفینا
رفعت ہی جس زمیں کی بامِ فلک کا زینا
جنت کی زندگی ہے جس کی فضا میں جینا

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

گوتم کا جو وطن ہے جاپان کا حرم ہے
عیسیٰ کے عاشقوں کا چھوٹا یروشلم ہے

مدفون جس زمیں میں اسلام کا حشم ہے — ہر پھول جس چمن کا فردوس ہے ارم ہے
میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

اقبال

۱۰۰۔ ترانۂ ہند

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا — ہم بلبلیں ہیں اس کی وہ گلستاں ہمارا
پربت وہ سب سے اونچا ہمسایہ آسماں کا — وہ سنتری ہمارا وہ پاسباں ہمارا
گودی میں کھیلتی ہیں اسکی ہزار ندیاں — گلشن ہے جسکے دم سے رشکِ جناں ہمارا
اے آبِ رودِ گنگا وہ دن ہے یاد تجھکو — اُترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا
مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا — ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا
یونان و مصر و روما سب مٹ گئے جہاں سے — ابتک مگر ہے باقی نام و نشاں ہمارا
کچھ بات ہے کہ ہستی مٹتی نہیں ہماری — صدیوں رہا ہے دشمن دورِ زماں ہمارا
اقبال کوئی محرم اپنا نہیں جہاں میں
معلوم کیا کسی کو دردِ نہاں ہمارا

اقبال

١٠١- نوحۂ ہند

(١٨٥٧ء کی شورش اور شامت اعمال)

گئی یک بیک جو ہوا پلٹ نہیں دل کو اپنے قرار ہے
کروں غم ستم کا میں کیا بیاں مرا سینہ غم سے فگار ہے

وہ شہر دہلی یہ تھا چمن کہ تھا سب طرح کا یہاں امن
وہ خطاب اس کا تو مٹ گیا فقط اب تو اُجڑا دیار ہے

شب و روز پھولوں میں جو تلیں وہ یوں خار غم سے فگار ہوں
ملے طوق قید میں جب انہیں کہیں بدلے گل کے یہ ہار ہے

جو سلوک اوروں سے کرتے تھے وہی اب ہیں کتنے ذلیل و خوار
وہ ہیں تنگ خرچ کے جور سے رہا تن پہ ان کے نہ تار ہے

یہ زمانہ ہے وہ برا فلک چلو بچ کے سب سے الگ الگ
نہ رفیق کوئی کسی کا یاں نہ کسی کا کوئی بھی یار ہے

[illegible]ائی نہ رہے تجھے حشر کا جو خدا رکھے سبھی بر ملا
[illegible] رسول کا وہی تیرا حامی کار ہے

حسامی

جلد دوم

۱۰۲۔ نوحۂ دہلی

تذکرہ دہلی مرحوم کا اے دوست نہ چھیڑ
نہ سُنا جائیگا ہم سے یہ فسانہ ہرگز

داستاں گل کی خزاں میں نہ سنانا ہرگز
ہنستے ہنستے ہمیں ظالم نہ رُلانا ہرگز

ڈھونڈتا ہے دل شوریدہ بہانے مطرب
درد انگیز غزل کوئی نہ گانا ہرگز

صحبتیں اگلی مصوّر ہمیں یاد آئیں گی
کوئی دلچسپ مرقع نہ دکھانا ہرگز

لیکے داغ آئیگا سینہ پہ بہت اے سیاح
دیکھ اس شہر کے کھنڈر وں میں نجانا ہرگز

چپّے چپّے پہ ہیں یاں گوہر یکتا تہ خاک
دفن ہوگا کہیں اتنا نہ خزانہ ہرگز

کبھی اے علم و ہنر گھر تھا تمہارا دلّی
ہمکو بھولے ہو تو گھر بھول نجانا ہرگز

رات آخر ہوئی اور بزم ہوئی زیر و زبر
اب نہ دیکھوگے کبھی لطف شبانہ ہرگز

بزمِ ماتم تو نہیں بزمِ سخن ہے حالی
یہاں مناسب نہیں رو رو کے رُلانا ہرگز

حالی۔

جلد دوم

۱۰۳۔ پیام و سلام اقبال کے نام

آنا ترا مبارک یورپ سے آنے والے
احبابِ منتظر کو جلوہ دکھانے والے

آنا ترا مبارک اعزاز پانے والے
ہندوستان کی عظمت عزت بڑھانیوالے

آنا ترا مبارک با صد ہزار شوکت
ملکِ سخن میں اپنا سکہ بٹھانے والے

آنا ترا مبارک او بلبلِ خوش الحان
نظمیں سنانیوالے تانیں اڑانیوالے

آنا ترا مبارک او فخرِ بزمِ قومی
ہنسنے ہنسانیوالے رونے رلانیوالے

منظور کیجئے گا پہلے سلام میرا
خدمت میں آپکی ہے پھر یہ پیام میرا

اقبال رنگِ الفت محفل میں پھر جما دے
لایا فرنگ سے ہی جو مے وہی پلا دے

پھر ہو رہی ہے ان بن کچھ شیخ و برہمن میں
انکو گلے ملا دے روٹھے ہوئے منا دے

مشہور کشوروں میں ہے سوز و ساز تیرا
اہل وطن کو اپنے اس راز کا پتہ دے

سوتوں کو ہی جگانا مردوں کو ہے جلانا
ہوگا یہ کام تجھسے ہمت بجھے خدا دے

سوزِ سخن بھی گر ہے دنیا میں چیز کوئی
اُس کا اثر دکھا دے اک آگ سی لگا دے

منزل کٹھن ہے اپنی اور پر خطر ہیں راہیں
پھر سینکڑوں دورا ہے اک راہ پر چلا دے

سحر سخن سے اپنے تسخیر کر دلوں کو
نغمہ کوئی سنا دے جادو کوئی چلا دے

قسمت سے ہے دلوں پر حاصل تجھے حکومت
جسکو ترس رہے ہیں دنیا کے شاہزادے

بھارت ہماری ماں ہے لازم ہے اسکی سیوا
کیا چاہیے ہمیں گر خوش ہو کے یہ دعا دے

دی ہے زباں بھی تجھکو دل بھی دیا خدا نے
حبِ وطن کے دلکش پھر چھیڑ دے ترانے

اک بار پھر سنا دے ہندوستاں ہمارا
اپنی زباں میں کہدے رازِ نہاں ہمارا

پھر زمزموں سے اپنے آباد اسکو کر دے
تیرے بغیر سونا ہے گلستاں ہمارا

کیا حال ہے وہاں کا آیا ہے تو جہاں سے
کچھ تذکرہ سنا بھی تو نے وہاں ہمارا

ہم چل پڑے ہیں لیکن منزل ابھی ہے کوسوں
اور سخت مشکلوں میں ہے کارواں ہمارا

اپنوں کی سرد مہری نے دل جلا دیا ہے
پہنچے گا آسماں تک دودِ فغاں ہمارا

اقبال دیکھ اتنا کوئی نہیں سمجھتا
مٹنے کو ہے جہاں سے نام و نشاں ہمارا

آپس کی دشمنی کے یہ دن نہیں ہیں ہرگز
پہلے ہی جبکہ دشمن ہے آسماں ہمارا

یہ وقت ہے کہ کہدیں سب ہو کے یک زباں ہم
ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا

محروم

۱۴۰۔ نیا شوالہ

سچ کہہ دوں اے برہمن گر تو برا نہ مانے
تیرے صنم کدے کے بت ہو گئے پرانے
اپنوں سے بیر رکھنا تو نے بتوں سے سیکھا
جنگ و جدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے
تنگ آکے میں نے آخر دیر و حرم کو چھوڑا
واعظ کا وعظ چھوڑا چھوڑے ترے فسانے
کچھ فکر پھوٹ کی کر مالی ہے تو چمن کا
بوٹوں کو پھونک ڈالا اس بے خبری ہوا نے

پتھر کی مورتوں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
خاک وطن کا مجھکو ہر ذرہ دیوتا ہے

آ غیریت کے پردے اک بار پھر اٹھا دیں
بچھڑوں کو پھر ملا دیں نقش دوئی مٹا دیں
سونی پڑی ہوئی ہے مدت سے دل کی بستی
آ اک نیا شوالہ اس دیس میں بنا دیں
دنیا کے تیرتھوں سے اونچا ہو اپنا تیرتھ
دامان آسماں سے اس کا کلس ملا دیں
پھر اک انوپ ایسی سونے کی مورتی ہو
اس ہردوار دل میں لا کر جسے بٹھا دیں

سندر ہو اسکی صورت چھب اسکی موہنی ہو
اس دیوتا سے مانگیں جو دل کی ہوں مرادیں

زنار ہو گلے میں تسبیح ہاتھ میں ہو
یعنی صنم کدے میں شان حرم دکھا دیں

پہلو کو چیر ڈالیں درشن ہو عام اس کا ہر آتما کو گویا اک آگ سی لگا دیں
آنکھوں کی ہی جو گنگا لے لے کے اس سی پانی اس دیوتا کے آگے اک نہر سی بہا دیں

ہندوستان لکھدیں ماتھے پہ اس صنم کے
بھولے ہوئے ترانے دنیا کو پھر سنا دیں

ہر صبح اُٹھ کے گائیں منتر وہ میٹھے میٹھے سارے پجاریوں کو مے پیت کی پلا دیں
مندر میں ہو بلانا جس دم پجاریوں کو آوازہ اذاں میں ناقوس کو چھپا دیں
اگنی ہی وہ جو نرگن کہتے ہیں پیت جس کو دھرموں کے یہ بکھیڑے اس آگ سی جلا دیں

ہو ریت عاشقوں کی تن من نثار کرنا
رونا ستم اٹھانا اور اُن کو پیار کرنا

اقبال

۱۰۵- گلزار وطن

پھولوں کا کنج دلکش بھارت میں اک بنائیں حب وطن کے پودے اسمیں نئے لگائیں
پھولوں میں جس چمن کے ہو بوئے جاں نثاری حب وطن کی قلمیں ہم اس چمن سی لائیں
خون جگر سے سینچیں ہر نخلِ آرزو کو اشکوں سے بیل بوٹوں کی آبرو بڑھائیں
ایک ایک گل میں پھونکیں روحِ شمیم وحدت اک اک کلی کو دل کے دامن سی دیں ہوائیں

جلد دوم فردوس کا نمونہ اپنا ہو کنجِ دلکش سارے جہاں کی جس میں ہوں جلوہ گر فضائیں
چھایا ہوا ابرِ رحمت کا شامیانہ چمن میں رم جھم برس رہی ہوں چاروں طرف گھٹائیں
مرغانِ باغ بنکر اُڑتے پھریں ہوا میں نغمے ہوں روح افزا اور دلربا صدائیں
حبِّ وطن کے لب پر ہوں جانفزا ترانے شاخوں پہ گیت گائیں پھولوں پہ چہچہائیں
چھائی ہوئی گھٹا ہو موسم طرب فزا ہو
جھونکے چلیں ہوا کے اشجار لہلہائیں
اس کنجِ دلنشیں میں قبضہ نہو خزاں کا جو ہو گلوں کا تختہ، تختہ ہو اک جناں کا
بلبل کو ہو چمن میں صیاد کا نہ کھٹکا خوش خوش ہو شاخِ گل پر غم ہو نہ آشیاں کا
حبِ وطن کا ملکر سب ایک راگ گائیں لہجہ جدا ہو گرچہ مرغانِ نغمہ خواں کا
ایک ایک لفظ میں ہو تاثیر بوئے الفت انداز دل نشیں ہو ایک ایک داستاں کا
مرغانِ باغ کا ہو اس شاخ پر نشیمن پہنچے نہ ہاتھ جس تک صیادِ آسماں کا
موسم ہو جوشِ گل کا اور دن بہار کے ہوں عالم عجیب دلکش ہو اپنے گلستاں کا
مل مل کے ہم ترانے حبِ وطن کے گائیں
بلبل ہیں جس چمن کی گیت اس چمن کے گائیں

سرور

جذبات فطرت
ضمیمہ

شعرا اور اُن کا کلام

استدعا۔ذیل میں شعرا کے متعلق جو جو حالات دریافت طلب ہیں اگر کوئی صاحب ان سی مطلع فرمائیں گے تو باعث مشکوری ہوگا اُمید کہ طبع ثانی میں کُل حالات مکمل ہو جائیں گے

۱۔ اُبرو۔؟

ولادت وطن

ضمیمہ ۲- اختر جوناگڈھی ؟
صفحہ
جلد دوم
ولادت
وطن

۳- اعجاز- مرزا اعجاز حسین صاحب

ولادت
وطن

۴- اقبال- ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب

ولادت
وطن

۵- اکبر- سید اکبر حسین صاحب

ولادت
وطن الٰہ آباد

۶-امانت ؟

ولادت　　وطن

۷-امجد- سید امجد حسین صاحب

ولادت　　وطن حیدرآباد

۸- امیر- منشی امیر احمد مینائی صاحب مرحوم

ولادت　　وطن　　وفات　　مدفن

۹- انجم- نور محمد صاحب

ولادت　　وطن

ضیمہ ۱۰ - ۲ انشا - انشاءاللہ خاں صاحب مرحوم صفحہ
جلد دوم ولادت وطن دلی وفات سنہ ۱۲۱۳ھ مدفن لکھنؤ

۱۱ - انیس - میر ببر علی صاحب مرحوم
ولادت سنہ ۱۲۱۶ھ وطن لکھنؤ وفات سنہ ۱۲۹۲ھ مدفن لکھنؤ

ضمیمہ جلد دوم

صفحہ

ضمیمہ جلد دوم

۱۲ جرأت ؟

ولادت وطن

۱۳- چکبست - منشی برج نراین صاحب

ولادت وطن لکھنؤ

۱۴- حالی - خواجہ الطاف حسین صاحب مرحوم

ولادت وطن پانی پت وفات مدفن پانی پت

۱۵- حامی؟

ولادت وطن

۱۶- حسرت - مولوی فضل الحسن صاحب موہانی

ولادت وطن موہان

۱۷- خاتون - ایک خاتون صاحبہ از علی گڈھ (اسم نامعلوم)

ضمیمہ جلد دوم | صفحہ

۳۵- محروم - منشی تلوک چند صاحب

ولادت ۱۸۸۸ء وطن عیسیٰ خیل (پنجاب)

۳۶- محشر - مرزا کاظم حسین صاحب

ولادت وطن

۳۷- محمدی بیگم صاحبہ مرحومہ اڈیٹر تہذیب النسواں

ولادت وطن وفات مدفن

ضمیمہ جلد دوم

صفحہ

پروفیسر الیاس برنی کی اردو کتابیں

معاشیات

(۱) **علم المعیشت**۔ اکنامکس پر اردو میں یہ سب سے پہلی نہایت مستند اور جامع کتاب ہے۔ مشکل سے مشکل معاشی اصول و مسائل کو ایسے سلیس اور دلچسپ پیرایہ میں بیان کیا ہے کہ کتاب کے مطالعہ سے نہ صرف مضامین بخوبی ذہن نشین ہو جاتے ہیں بلکہ خاصی تفریح حاصل ہوتی ہے۔ خوبی مضامین کی بدولت ہندوستان کے ہر حصہ میں یہ کتاب ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہی ہے۔ لطف یہ کہ یونیورسٹیوں میں اکنامکس کے متعلم بیسیوں ضخیم انگریزی کتابوں کو چھوڑ کر اس کو بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ ڈاکٹر محمد اقبال (جو خود بھی معاشیات کے بڑے عالم ہیں) تحریر فرماتے ہیں کہ "آپ کی کتاب علم المعیشت اردو زبان پر ایک احسانِ عظیم ہے۔ اور مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ اکنامکس پر اردو میں یہ سب سے پہلی کتاب ہے اور ہر لحاظ سے مکمل"۔ ضخامت تقریباً ۹۰۰ صفحہ۔ خوشنما جلد۔ سلسلہ مطبوعات انجمن ترقی اردو

شائع ہوئی ہے۔ قیمت چار روپیہ (للعہ)

(۲) معیشت الہند۔ ہندوستان کے گوناگوں معاشی حالات جن کا جاننا ملک کی اصلاح و ترقی کے واسطے از حد ضروری ہے، کافی تحقیق اور تنقید کے بعد بہت سلیس اور دلچسپ طرز پر علمی پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں۔ یہ بھی اُردو زبان میں اپنی قسم کی پہلی کتاب ہے۔ علم المعیشت میں معاشیات کے جو اُصول و مسائل بیان ہوئے ہیں، اس کتاب کے ذریعہ سے ان کا ہندوستان میں عملدرآمد دکھایا گیا ہے یہ دونوں کتابیں جامعۂ عثمانیہ کی بی اے کلاس کے نصاب میں داخل ہیں ضخامت تخمیناً ۶۰۰ صفحہ خوشنما جلد منجانب جامع عثمانیہ شایع ہوگی تیار ہو رہی ہے۔

(۳) مالیات۔ پبلک فنانس پر اُردو زبان میں یہ بھی سب سے پہلی مستند اور جامع کتاب ہے مہذب اور ترقی یافتہ سلطنتوں کے ہاں آمدنی کے کیا کیا ذرایع اور خرچ کی کیا کیا مدیں ہیں اور محاصل و مصارف کا انتظام کس نہج پر قائم ہے سلطنتوں کی مالی ترقی اور مرفہ الحالی کے کیا اسباب ہیں اور اُن کا کیوں کر عملدرآمد ہوتا ہے یہ تمام دقیق اور اہم مباحث نہایت سلیس اور دلچسپ طرز پر علمی پیرایہ میں پیش کئے ہیں۔ ہندوستان کے قومی رہبروں اور رئیسوں کو اس کتاب کا مطالعہ بہت مفید بلکہ از حد ضروری ہے۔ ضخامت تخمیناً ۵۰۰ صفحہ۔ خوشنما جلد (زیر تالیف)

(۴) مقدمۃ المعاشیات - مورلینڈ صاحب کی انگریزی کتاب انٹروڈکشن ٹو اکنامکس (Introduction to Economics) کا سلیس اور بامحاورہ اُردو ترجمہ جس میں معاشیات کے ابتدائی اُصول و مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب جامع عثمانیہ میں ایف اے کلاس کے نصاب میں داخل ہی ضخامت تقریباً ۵۰۰ صفحہ مجلد۔ من جانب جامع عثمانیہ شایع ہو گی۔

(۵) ہندوستانی معاشیات - مسٹر پرمتھ ناتھ بنرجی کی انگریزی کتاب انڈین اکنامکس کا سلیس اور بامحاورہ اُردو ترجمہ جس میں مختصر طور پر ہندوستان کے معاشی حالات بیان کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب جامع عثمانیہ کی ایف اے کلاس کے نصاب میں داخل ہی۔ ضخامت تقریباً ۵۰۰ صفحہ مجلّد۔ منجانب جامع عثمانیہ شایع ہو گی۔

(۶) برطانوی حکومتِ ہند - انڈرسن صاحب کی انگریزی کتاب برٹش اڈمنسٹریشن ان انڈیا (British Administration in India) کا سلیس اور بامحاورہ اُردو ترجمہ جس میں مختصر طور پر حکومتِ ہند کا طریق بیان کیا گیا ہی۔ یہ کتاب بھی جامع عثمانیہ میں ایف اے کلاس کے نصاب میں داخل ہی۔ ضخامت تقریباً ۲۵۰ صفحہ مجلّد۔ منجانب جامع عثمانیہ شایع ہو گی

سلسلۂ منتخبات نظم اُردو

اِس سلسلہ سے اُردو شاعری کی ترقی کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے عجیب و غریب انتخاب ہے گویا شعر و سخن کے چمن کھلے ہوئے ہیں جن کے رنگ و بُو سے دل و دماغ بلکہ روح کو تفریح ہوتی ہے ملک میں یہ سلسلہ جس قدر پھیلے کم ہے ہر جلد کی ضخامت تقریباً ۱۷۵ صفحہ ہے۔

(۱) معارفِ ملّت حمد و نعت، مناجات اور اخلاقی و قومی نظموں کا گلدستہ جلد اوّل و دوم مجلد قیمت فی جلد (عہ ؍)

(۲) معارفِ ملّت " " (زیر ترتیب) جلد سوم مجلد قیمت (عہ ؍)

(۳) جذباتِ فطرت۔ دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُسنے کہا میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے۔ جلد اوّل و دوم مجلد قیمت فی جلد (عہ ؍)

(۴) جذباتِ فطرت۔ " " (زیر ترتیب) جلد سوم مجلد قیمت (عہ ؍)

(۵) مناظرِ قدرت۔ اوقات، مقامات، مخلوقات اور واقعات کی تصاویر کا دلکش مرقع جلد اول و دوم مجلد قیمت فی جلد (عہ ؍)

(۶) مناظرِ قدرت " " (زیر ترتیب) جلد سوم مجلد قیمت (عہ ؍)

طالبانِ حق کو مژدہ

اسرارِ حق

آیاتِ قرآنیہ، احادیثِ نبویہ، اقوالِ صدیقین، ارشاداتِ ائمۂ دین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا جامع اور نہایت مربوط انتخاب جس سے حقایقِ اسلام اظہر من الشمس ہو جاتے ہیں۔ معارف کی تحقیق و تصدیق میں غالباً اپنے طرز کی پہلی کتاب ہے۔ دقّتِ مضمون اور نزاکتِ بیان کی وجہ سے یہ کتاب زیادہ تر علما، و عرفا اور محققین کے واسطے موزوں اور مقصود ہے۔ حجم تخمیناً ۲۰۰ صفحہ۔ مجلد قیمت (عہ) تیار ہو رہی ہے۔ فرمائشات پیشگی درج رجسٹر ہو سکتی ہیں (اس کتاب کے نیز سلسلۂ منتخبات نظم کے)

ملنے کا پتہ

محمد مقتدیٰ خاں شروانی

علی گڑھ
